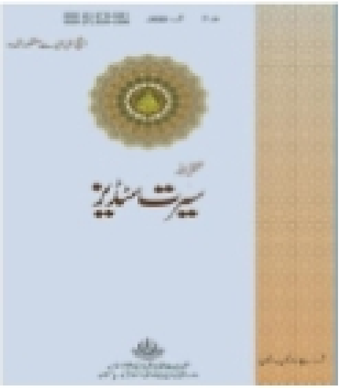

سیرت سٹڈیز Seerat Studies

E(ISSN): 2710-5261, P(ISSN): 2520-3398
Publisher: Department of Seerat Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan
Website: https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jss
Vol.08 Issue: 08 (January – December 2023)
Date of Publication: 25-December 2023
HEC Category (July 2022-2023): Y

https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jss

Article	ریاست کا تعلیمی نظام: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں
Authors & Affiliations	1. ***Dr. Noor Hayat Khan*** *Associate Professor, Department of Islamic Thought & Culture, NUML, Islamabad.* nhayat@numl.edu.pk
Dates	***Received*** 14-04-2023 ***Accepted*** 15-07-2023 ***Published*** 10-12-2023
Citation	Dr. Noor Hayat Khan, 2023. ریاست کا تعلیمی نظام: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں [online] IRI - Islamic Research Index - Allama Iqbal Open University, Islamabad. Available at: https://iri.aiou.edu.pk [Accessed 10 December 2023].
Copyright Information	2023@ ریاست کا تعلیمی نظام: سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں by Dr. Noor Hayat Khan is licensed under Attribution-Share Alike 4.0 International
Publisher Information	Department of Seerat Studies, Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan https://aiou.edu.pk/

Indexing & Abstracting Agencies

IRI(AIOU)	HJRS(HEC)	Tehqiqat	Asian Indexing	Research Bib	Atla Religion Database (Atla RDB)	Scientific Indexing Services (SIS)
Islamic Research Index	HJRS HEC Journal Recognition System	تحقیقات تحقیقاتی اشاریہ	ASIAN Research Index	Academic Resource Index ResearchBib	ATLA Religion Database	SIS

ریاست کا تعلیمی نظام سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

Education system of a state in the light of Serah (PPBUH)

Abstract

This study examines the educational framework of the Islamic state as envisioned in the life and teachings of the Prophet Muhammad (PBUH). It explores the integral role of education in fostering both individual and societal development within a welfare-oriented Islamic state. The paper defines the components of a state, emphasizing the importance of political order, constitutional adherence, and territorial sovereignty, while aligning these with the principles of Islamic teachings. Highlighting the transformative educational methodologies employed during the Prophet's time. The study discusses the significance of integrating spiritual, moral, and intellectual education to establish a cohesive and progressive society. It also critiques modern secular educational systems for their detachment from religious and ethical values, advocating for a holistic educational model inspired by Seerah. By linking education to governance, social harmony, and the broader objectives of Sharia, this research underscores the necessity of cultivating knowledge systems rooted in Islamic values to ensure societal stability and moral accountability.

ریاست کی اجزائے ترکیبی

ریاست کی تعریف اوراجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ اس سلسلے میں لفظ ریاست کی تعریف میں کچھ عناصر مشترک اور ناگزیر ہیں۔ جن میں ایک عنصر عوام ہیں یعنی جہاں ریاست ہو گی، وہاں لوگ بھی ہوں گے۔لوگوں کے بغیر ریاست کی تشکیل ممکن نہیں۔ جہاں انسان ہی موجود نہیں تو وہاں ریاست کا تصور کیسے ؟۔

دوسرا عنصر سیاسی نظم کا وجود ہے، جن سے حقوق وفرائض کی ادائیگی کا طریقہ کار وجود میں آتا ہے اور لوگوں کو ایک آئین اور دستور فراہم کرتا ہے، جس سے عوام میں اتفاق واتحاد پیدا ہوتا ہے جو ریاستی استحکام کے لیے نہایت ضروری ہے۔ لہذا ریاست کے لیے آئین اور دستور کا ہونا ضروری امر ہے، جس کی پاسداری ہو۔ خواہ یہ آئین، دستور تحریری ہو یا غیر تحریری۔ آئین کی عدم پاسداری سے ریاست کا وجود خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

تیسرا عنصر علاقہ اوراس کی حدود اربعہ ہے، جس کا دنیا میں دوسری ریاستوں سے اعتراف بھی ہو۔ یعنی اگر کسی گروہ کے پاس اپنے آئین اور دستور کو نافذ کرنے کیلئے علاقہ ہی نہ ہو تو اسے ریاست نہیں کہا جاسکتا۔

چوتھا اور ایک اہم عنصر خود مختاری ہے، جس کی بنیاد پر اسے ریاست کہا جاسکتا ہے، جو اسے حاصل ہو[1] ۔

ایک مثالی ریاست کیسے وجود میں آسکتا ہے؟ عناصر مذکورہ میں سے دوسرے عنصر یعنی ریاست میں بسنے والے لوگوں کی سیاسی منظم نظم یا حکومت، جہاں لوگ خود مختاری سے حکومت کو تشکیل دینے کے بعد مساوات کے اصول پر عمل پیرا ہو اور قانون کی بالادستی کے ذریعے زیادہ سے زیادہ آسائشوں کے حصول میں کامیاب ہو، وہ مثالی ریاست کہلاتی ہے۔

ایک مثالی اور اچھی حکمرانی کے لیے جو عناصر ضروری ہیں، ان میں احتساب، شفافیت، قانون کی حکمرانی اور جواب دہی کا وجود شامل ہیں، جو سرکاری سطح سے لے کر عوام کی اکثریت میں وقوع پذیر ہو۔

مثالی ریاست کے قیام کے لیے معاشی ترقی کے ساتھ تعلیم کا اچھا معیار از بس ضروری ہے، جو ہمارے اس مقالے کا موضوعِ بحث بھی ہے، جس کے اہم جہات سیرت النبی کی روشنی میں اس مقالہ کے اندر قلمبند کیے گئے ہیں۔

سیرت النبی کی روشنی میں ریاست کا تعلیمی نظام

بحیثیت مجموعی سیرت النبی انسانی زندگی کی بہتری کی جامع کوششوں سے عبارت ہے۔ اگر ایک طرف ہم آپ ﷺ کی مکی زندگی انفرادی تعلیم و تربیت اور ان کی فلاح و بہبود سے عبارت ہے، تو دوسری طرف مدنی زندگی اجتماعی زندگی کے فلاح و بہبو اور ایک مثالی اسلامی فلاحی ریاست کی منظم کوششوں سے عبارت ہے[2] ۔ یہ کوششیں انفرادی سطح کی ہو یا اجتماعی سطح کی، سب میں بنوی تعلیم و تربیت کا عمل بنیادی رہا ہے۔

ریاست کا تعلیمی نظام کیسے ہو؟ ریاست کے فلاح اور بہبود میں تعلیم کا حصہ اور اس کی اہمیت کس قدر ہے؟ اس مقالہ میں اسے سیرت النبی کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تعلیم کی تعریف و مفہوم اور ضرورت و اہمیت

تعلیم عربی زبان کا لفظ ہے[3]، انگریزی زبان میں اسے Education کہتے ہیں، جو اصل میں لاطینی زبان کے Edu care سے لیا گیا ہے اور طبعی تربیت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ معاجم اور مختلف ڈکشنریوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد انسانی ذہن سازی اور مہذب سازی ہے۔ عربی زبان میں علم کی تعریف: {إدراك الشيء بحقيقته}[4] کسی شیئ کی حقیقت کی ادراک ہے۔ اس علم کی وجہ سے انسان جانوروں سے ممتاز اور دیگر انسانوں میں بلند رتبہ[5] پا گیا ہے۔

اسلامی سیرت و روایت کی روشنی میں اگر بات کی جائے تو تعلیم وہ اجتماعی منظم عمل ہے کہ جس کے ذریعے معاشرہ نوخیز نسلوں کو اسلامی دستور حیات سکھاتا ہے۔ اسلامی عقائد اور اقدار ان کے اذہان میں راسخ کرتا ہے اور اسلامی افکار کی روشنی میں آدابِ زندگی و اخلاق کی تربیت دیتا ہے[6] ۔

فلسفہ تعلیم

تعلیم اپنے وسیع تر معنوں میں وہ چیز ہے، جس کے ذریعے لوگوں کے کسی گروہ کی عادات اور اہداف ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتے ہیں۔ اپنے تکنیکی معنوں میں اس سے مراد وہ رسمی طریقہ کار ہے، جس کے ذریعے ایک معاشرہ اپنا مجموعی علم، ہنر، روایات اور اقدار ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل کرتا ہے۔ عموماً اس سے اسکول میں کی جانے والی تربیت مراد لی جاتی ہے، جسے رسمی، نیم رسمی اور غیر رسمی تعلیم میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کسی قوم کی زندگی کا انحصار ہی اس کی تعلیم پر ہے، جو ان کی تمام طبعی، حیاتیاتی، اخلاقی و سماجی اثرات کا احاطہ کرتی ہے اور طرز زندگی کو تشکیل بخشتی ہے۔ تعلیم کسی قوم کی خود آگہی، خود شناسی اور اس کا احساس وشعور نکھارنے کا ذریعہ ہے [(7)]۔

دنیا میں تعلیم و تربیت کے سلسلے میں چار اہم نظریات یا فلسفے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک اشتراکی نظریہ تعلیم ہے، جو محض مادہ پرستی کی تعلیم دیتا ہے، مذہبی، روحانی اور اخلاقی قدروں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس نظامِ تعلیم میں تمام سرگرمیاں مادیات کی گرد گھومتی ہیں، اور مدارس صنعتوں سے مربوط کیے جاتے ہیں۔

دوسرا اسیکولر نظریہ تعلیم ہے، جس میں دین و دنیا کی تفریق پائی جاتی ہے۔ بظاہر یہ نظامِ تعلیم لا مذہبی ہے، لیکن کلیسا کے مخالفت میں عملاً الحاد پر عمل پیرا ہے۔ اسی طرح تعلیم کا تیسرا نقطہ نظر جمہوری ہے، جس میں افراد کی آزادی پر یقین رکھا جاتا ہے۔ شہریوں کو برابری کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں، استاد و طالب علم دونوں کی آزادی کا احترام کیا جاتا ہے، لیکن مذہبی تعلیم کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں قوم پرستی اور وطنیت کو فروغ دیا جاتا ہے [(8)]۔

مذاہب عالم میں تعلیم کی اہمیت

مذاہب عالم میں تعلیم کی اہمیت کو دیکھا جائے تو ہندو مت میں تعلیم صرف اعلی نصل کے لیے مختص تھی جبکہ نچلی ذاتوں کے لیے سخت ممنوع تھی۔ اس وجہ سے مقدس ویدوں کی تعلیم ان کے کانوں میں پڑ جانے کی صورت میں ان کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جاتا تھا۔ تاہم اس ظلم اور ممانعت کے باوجود تعلیم کی ضرورت ایک مسلم امر جانا جاتا رہا ہے، جو معاشرے کے ضروریات کی تکمیل اور امورِ حکومت چلانے میں ممد و معاون چیز تھی۔ اسی طرح بدھ مت میں چونکہ تعلیم کی آزادی تھی، اس لیے ہندوں کی نچلی ذاتیں ان میں داخل ہو گئیں۔ اسی طرح کنفیوشش ازم میں تعلیم کا مقصد اچھا شہری، یعنی حقوق و فرائض کی ادائیگی پر اصرار کرتی ہے، جبکہ لاوزے کی تعلیم میں ذہن اور رویوں کی اصلاح پر زور ملتا ہے، جو اچھا انسان بناتے ہیں [(9)]۔ اسی طرح مذاہب عالم میں انسانی معاشرت سمجھنے اور حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لیے تعلیم کی ہدایات ملتی ہیں۔

اسی طرح قبل از اسلام عربوں کے اثریات اور کتبات سے تعلیم و تعلم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ مکہ جیسے شہر میں {۱۵-۱۷} خواندہ لوگوں کا تذکرہ ملنے سے یہاں پر تعلیم و تعلم کی ایک طرح سے ضرورت کی نشاندہی ہوتی ہے۔

ہمیشہ سے انسانی سماج کے تعلقات اور ایک دوسرے سے روابط و استفادہ کے لیے تعلیم انسانیت کی ضرورت رہی ہے۔ اس لحاظ سے عربوں کے ہاں آلات تعلیم؛ پتھر، لکڑی، مٹی، درختوں کے پتے، چمڑا، صحیفہ ،لوح، اونٹ کے شانے کی ہڈی، کھجور کی چھال وغیرہ چیزیں استعمال ہوتی رہی ہیں، جو تعلیم کے تسلسل میں ممد و معاون رہی ہیں۔ سابقہ آسمانی صحف [10] بھی اسی انسانی تعلیم اور فلاح و بہبود کے لیے اتارے گئے تھے، تاہم قرآن مجید نے دیگر قدیم آسمانی کتب و صحائف کی طرح تعلیم و تربیت کے تسلسل کے ساتھ اعلی اخلاق و کردار کے تحفظ میں مُهَيْمِنْ [11] کالقب پایا ہے، جو زمین والوں کا آسمان والے کے ساتھ مضبوط تعلق استوار [12] کرنے اوراس کا منشاء جاننے میں رہتی دنیا تک کے لیے ہدایت و راہنمائی [13] فراہم کرنے کا ایک مستند ذریعہ ہے۔ قرآن و حدیث میں اس نفع بخش علم کو طلب کرنے اور غیر نفع بخش علم سے پناہ مانگنے [14] کا حکم دیا گیا ہے، ایسا علم جو دنیا کے آسائش تو فراہم کرتا ہو، لیکن اس کے ذریعے انسان اپنے خالق کو نہ پہچانے اور آخرت کے تصور اور اس کی جواب دہی پر امادہ نہ کریں۔

تعلیم اور معرفتِ الٰہی

سیرت نبوی سے ہمیں معرفت الٰہی کا تصور پہلی وحی کے ذریعے سے ملتا ہے، جس کی ابتداء لفظِ اقراء سے ہوئی ۔یعنی ہمیں معرفت الٰہی کے لیے تعلیم و تعلم کا سلسلہ درکار ہوگا۔ نزول قرآن مجید کے وقت عرب لوگ لفظ اللہ سے واقف نہیں تھے، اس کی جگہ وہ باسمک اللّٰھم استعمال کرتے تھے اور چونکہ لفظ رب کئی معانی کا متحمل تھا۔ لہذا اس کے بعد سورة هود میں بسم الله، اور سورة المزمل میں اس کے بعد الرحیم کا اضافہ ہوا۔ اس کے بعد بسم الله الرحمن الرحيم سے کلام کا آغاز ہونے لگا۔ اس سے اس بات کی اہمیت معلوم ہوئی کہ الہامی تعلیمات نے نہ صرف تعلیم کی سرپرستی کی، بلکہ اسے معرفت الٰہی کے ساتھ بھی جوڑ دیا ہے۔ علم اللہ تعالی کے احسانات اور نعمتوں سے ایک عظیم نعمت ہے۔ اللہ تعالی کو علم اس قدر پسند ہے کہ آلات علم ؛لوح و قلم اور قرطاس کی قسم کھائی ہے [15]، جو انسانیت کے لیے شعور و آگہی کے اسباب ہیں اور علم معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ سقراط کے مطابق علم دراصل حقیقت کی تلاش ہے اور زندگی کا مقصد ہی سچائی اور صداقت تک پہنچنے کا نام ہے [16]۔ یہ حقیقت اور سچائی ہم پر خالقِ کائنات کے راز افشاء کرتی ہے کہ حقیقی خالق اور مالک لاشریک ذات ہے، جو صمد ہے، لم یلد اور لم یولد ہے۔ [17]۔

یہی وجہ ہے کہ معرفتِ الٰہی کے لیے اسلام میں علم کا حصول مرد وعورت پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ» [18]

تعلیم کا بنیادی اور مرکزی فکر

سیرت نبوی کی تعلیمات کا مرکزی نکتہ اور فکر، عقیدہ توحید و رسالت ہے۔ اس عقیدہ کی بنیاد پر آپ اور آپ کے صحابہ کرام نے سختیاں برداشت کیں، وطن بدر ہوئے اور جانی و مالی قربانیاں پیش کیں۔ ان لازوال قربانیوں کے بعد آپ نے جو ریاست قائم کی، وہ فلاحی ریاست ہونے کے ساتھ ایک مکمل اسلامی ریاست تھی، جس کا ایک واضح نصب العین بھی روزِ اول سے متعین تھا اور وہ تھا عقیدہ توحید۔ جس کا مطلب ہے کہ مسلمانوں کی ریاست کا اجتماعی عقیدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالی اپنی ذات، صفات اور الوہیت کے لحاظ سے ازلی و ابدی ہے۔ اس میں وہ یکتا اور بے مثل ہے۔ وہ

حاکم اور اس ریاست کے رہنے والے اس کے بندے اور غلام ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی غیر مشروط اطاعت لازم ہے[19]۔ سیرت نبوی کے اس فکری بنیاد کی روشنی میں ریاستی تعلیمی نظام میں اس عقیدے کی ترویج کو بنیادی اہمیت دی جائے گی اور یوں ایک مسلمان اللہ کی زمین پر اپنے خلیفہ اور نائب[20] ہونے کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔

عقیدہ توحید کی طرح، عقیدہ رسالت پر بھی تمام اہل اسلام سلف اور خلف کا اتفاق اور اجماع ہے کہ نبوت کا سلسلہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم المرسلین سیدنا مصطفیٰ ﷺ پر پہنچتا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی حقیقی ،ظلی یا بروزی اور مجازی نبی دنیا میں بہیئت رسول نہیں آسکتا، اور جو بھی یہ دعوی کرے گا، وہ کذاب، دجال اور ضال و مضل ہو گا۔ اس کا انکار لازم اور فرض ہے اور جو شخص اس کی تکذیب نہیں کرتا بلکہ اس کو مجدد، مصلح، یا نبی مانتا ہے یا اس کو مومن اور مسلمان مانتا ہو گا، تو وہ شخص بھی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا[21]۔

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہا جمعین، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ مجتہدینؒ اور چودہ صدیوں کے ائمہ مفسرین، محدثین، متکلمین، علماء اور صوفیاء سمیت پوری اُمت مسلمہ کا اِس بات پر اجماع رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص کسی بھی معنوں میں دعوائے نبوت کرتا ہے تو وہ بالاتفاق اُمت کافر و مرتد، کذّاب و دجّال اور دائرہ اسلام سے خارج قرار پاتا ہے،[22] کیونکہ انتخاب رسول، ختم نبوت اور تکمیل دین خدائی انتخاب ہے۔ جس طرح یہ بات مسلم ہے کہ انسان اپنی مرضی سے اس دنیا میں نہیں آیا ہے۔ اسی طرح انسان کی راہ نمائی کا معاملہ بھی کسی کی خواہش پر نہیں چھوڑا گیا، بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور جب چاہا نبی بنا کے بھیجا۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾[23]

(اللہ خوب جانتا ہے کہ کس سے کام لے اپنی رسالت (وپیغمبری) کا)

حضرت آدم علیہ السلام پہلے انسان ہونے کے ساتھ ساتھ پہلے پیغمبر بھی تھے اور اسی طرح آخری نبی اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو چنا۔ اور یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کو منظور تھی کہ نبوت کا یہ سلسلہ آپ ﷺ ہی پر تمام ہو، جیسا کہ فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾[24]

((لوگوں) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ محمد (ﷺ) نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں)

اور قدرتی طور پر وہ اسباب جن کی وجہ سے ایک نبی کو بھیجا جاتا تھا، نہیں رہے اور نہ مزید احکام شریعت میں کوئی تبدیلی اللہ تعالیٰ کو مقصود رہی۔ اس لیے قرآن مجید کو آخری الہامی کتاب اور احادیثِ رسول ﷺ کو تشریح کے ساتھ تشریع الٰہی کا حصہ بنایا، جس سے شریعتِ الٰہی اکمال کے ساتھ تحفظ کو پہنچ گئی اور نعمتِ ہدایت کا تکمیل ہو چکا، جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[25]

جس طرح گزشتہ آسمانی صحائف میں آپ ﷺ کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔اسی طرح آپ ﷺ کو دیگر انبیاء پر جو فضیلت دی گئی،اس میں سے درج ذیل دو باتیں ایسی ہیں کہ جن کی بناء پر آپ ﷺ کی فضیلت اور خاتم النبیین کا واضح ذکر ہے:

{آپ ﷺ تمام مخلوقات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا ہے}[26]

جس کی تصدیق اللہ تعالی نے قرآن مجید میں یوں فرمائی ہے:

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[27]

(اے پیغمبر!(لوگوں سے) کہو اے انسانو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں)۔

چونکہ ہماری ریاست ایک اسلامی مملکت ہے،جس کا عقیدہ اور نصب العین اول روز سے واضح ہے۔تمام پیغمبروں کی طرح آپ نے فرمایا:اللہ کے بندوں اللہ ہی کی بندگی بجالایا کرو۔[28] رسول اللہ نے فرمایا میری اطاعت کرو تاکہ اللہ تعالی نے جس تعلیم کے ساتھ مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے،اس کے اجراء سے ایک صالح نظام ممکن ہو سکیں ۔اس کے لیے عہدِ وفاداری ضروری ہے،ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾[29]

(جو شخص اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے اس نے بڑی کامیابی حاصل کی) ۔

لہذا ریاست کے نظامِ تعلیم میں یہ دونوں اطاعتیں سرچشمہ ہدایت اور سرمایہ افتخار ہیں،جس سے نہ صرف خواہشاتِ نفس کا قلع قمع ہوگا[30] اور ایک مضبوط متحدہ اجتماعی سیاسی نظام بھرپا ہوگا[31] ،بلکہ اس کا اصل فائدہ یہی ہوگا کہ معاشرہ عدل و مساوات کے اصول پر عمل پیرا ہو کر قانون کی بالادستی کے ذریعے ہر قسم کے دنیاوی اور اخروی آسائشوں کے حصول میں کامیاب ہو جائے گا۔

تعلیم کا مرکزی اسپرٹ یا جذبہ محرکہ

سیرت نبوی کے گہرے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے اسلامی ریاست کے تعلیمی تحریک کا بنیادی جذبہء محرکہ **حاکمیت الٰہی کے قیام** کے لیے بندگانِ خدا کو تیار کرتا نظر آتا ہے۔اس تعلیم کے ذریعے لوگوں کی ایسی تربیت ہوئی کہ جن کا ایمان ریاست کے دستور کے نکتہ نمبر ا توحید و رسالت پر پختہ اور مستحکم ایسا تھا کہ اسے افراد کا مقصد زندگی بنائے رکھا[32]،جو ریاست کے اصلاحی پروگرام سے نہ صرف پوری طرح متفق تھا،بلکہ ان کا عقیدہ ایسا کامل استوار تھا ،کہ

جس میں یہ اسپرٹ اچھی طرح ان کو سمجھایا گیا تھا اور اس کی تفصیلات سے ان کو اچھی طرح واقف کار بھی بنایا گیا تھا[33]۔

چونکہ ہماری ریاست ایک اسلامی مملکت ہے، لہذا اس کا تعلیمی نظام ہمارے عقیدے اور فکر و فلسفہِ حیات کا مکمل عکاس اور محافظ ہونا چاہیے۔اس مملکت کا معاشرہ مکمل طور پر قرآن مجید کے ارشاد ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾[34] کے مطابق ڈھلتا ہوا فروغ پاتا ہوا نظر آنا چاہیے۔

فروغِ وحدت اور تعلیم

سیرتِ نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست مدینہ کی نظامِ تعلیم کا ایک اہم پہلو وحدت کا فروغ تھا، جو قرآن مجید کے حکم ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾[35] کا مکمل عکاس تھا، جس نے اپنے ماننے والوں کو ایک نئے عالمی فکر {world view} کے تحت منظم کیا۔ یہ نظامِ تعلیم اس قدر سادہ اور عام فہم تھا کہ ریاست کے تمام افراد کے لیے اسے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ تھی، گو کہ افراد عمر کے لحاظ سے متفاوت تھے۔ یہ نظام خود کار ہونے کے ساتھ خود کفیل بھی تھا، جو خوفِ خدا، جوابدہی آخرت اور زندگانی عبادت ہونے دینی تصور پر قائم تھا[36]۔ اس خاص خدائی عالمی فکر کے ساتھ مکمل وابستگی کے تحت اس تعلیمی جدوجہد کا فائدہ یہ ہوا کہ تمام قوم وحدت کی لڑی میں پروتی چلی گئی۔اس طرح امت کو منظم کرنے کے لیے زیادہ توانائی صرف نہ کرنا پڑی اور ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا﴾ کے تقاضے بھی بطریق احسن پورے ہوئیں۔

ہماری اسلامی مملکت کے نظامِ تعلیم کو اس ماڈل پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔اس سے قریب ترین نظامِ تعلیم مسلمانوں کا برصغیر کی طرح باقی دنیا میں قائم تھا، جس نے سماج کی تعلیم و تربیت میں ایک فعال کردار نبھایا تھا۔وسیع و عریض سلطنتوں کو ایسے افرادِ کار اور مردانِ کار فراہم کیا تھا، جن میں ظرافت ، شائستگی ،وسعتِ نظر، خیر خواہی اور کمال کا حوصلہ تھا، جو تہذیب و تمدن اور فنونِ لطیفہ کے ہر میدان میں مختلف النوع ضروریات کو بصورت احسن پورا کر رہا تھا۔تاہم برصغیر میں حکومتی نااہلی نے ریاست کو گنوادیا۔اس کے بعد سماج کے ذہن و فکر سے اسلامی تہذیب و ثقافت اور اقدار وروایات اور اسلامی اخلاق مٹانے اور مغربی تہذیب وثقافت کے ترویج میں لارڈ میکالے کے انگریزی نظامِ تعلیم (۱۸۳۵ء) کے نفاذ نے شرمناک رول ادا کیا ہے۔اس نظامِ تعلیم نے تخریبی کام کر کے امت کے وحدت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔اس کے ساتھ اسلامی فکر و فلسفہ، تہذیب و ثقافت اور روایات واخلاق کو بیخ و بن سے اکیڑا اور اسے مٹا کے رکھ دیا ہے۔ قوم اس قدر زبون حالی کی شکار ہوئی کہ محض انگریزی زبان سیکھنے میں ان کی تمام تر توانائی صرف ہوئی اور اب بھی ہنوز ہو رہی ہے۔ باقی فنون لطیفہ، معاشرتی و مذہبی اقدار و کردار، جو انسان کو ایثار، محبت، حوصلہ، خوداری، ضابطہ ، قانون کی پاسداری اور انسانی خیر خواہی پر ابھارتے ہیں، وہ تمام علوم پسِ پردہ چلے گئے۔ بڑے تگ و دو اور سفارشات کے ساتھ ۱۸۸۷ء کے بعد پرائمری تعلیم کے لیے برصغیر میں قوم کو اردو زبان میں پڑھانے کی اجازت ملی، اور ۱۹۳۰ء میں میٹرک آرٹس کے مضامین کو اردو میں پڑھانے کی اجازت ملی۔اس نظامِ تعلیم کے اثرات تھے کہ اعلی انسانی اقدار سے انسان بے گانا ہو گیا۔ نقالی پر مجبور اہل ہند کے تمام تخلیقی صلاحیتوں کو کچل کر کے رکھ دیا گیا[37]۔ پوری دنیا میں آج اسی تعلیم اور اس کے دیے ہوئے فکر نے انسان کو محض اپنی حیوانی اور مادی اغراض کو پورا کرنے پر امادہ کیا ہوا ہے، باقی اعلی انسانی اقدار کے فروغ سے لاتعلق ہو گیا ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کا ہے

کہ نظامِ تعلیم میں اسلامی تعلیمات اور اس کی کردار کی احیاء پر توجہ دی جائے۔ محض تعلیم میں دینیات کے ایک کورس پڑھانے سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا، اکبر الہ آبادی کے قول کے مصداق کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہو، یا بقول مولانا مودودی کہ ٹاٹ میں ریشم کا پیوند لگا ہو[38]۔ یہ طرزِ تعلیم آج تک مسلمانانِ پاکستان کو ایک بیانیہ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکا، کیوں کہ یہ نظامِ تعلیم سیرت نبوی کے ان خوبیوں سے عاری ہے، جو ریاست مدینہ کی نظامِ تعلیم میں موجود تھیں۔

اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ایک متوازن نصابِ تعلیم کی ضرورت

ایک پائیدار ی اسلامی مملکت کی قیام کے لیے اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ایک متوازن نصابِ تعلیم کی فراہمی کی اشد ضرورت ہے، جہاں سے فارغ التحصیل سماج میں فکر وعقیدہ اور سوچ و کردار میں یک رنگی اور ہم رکابی پیدا ہو۔ قوم کو ایک مقصد اور ایک بیانیہ کی طرف پیش رفت میں آسانی پیدا کریں۔ مختلف رنگی، قومی، لسانی علاقائی ہونے کے باوجود ان میں تفاہم، قربت، وحدت و محبت اور ایک ہونے کا جذبہ پیدا کریں۔ ایسا کرنے کے لیے ریاستِ مدینہ کے طریقِ تعلیم اور نصابِ تعلیم اور سیرتِ مصطفوی کا بغور جائزہ لینے کی ضرورت ہے، جس میں تعلیم کی تقسیم اور دوئی کا کوئی تصور نہیں ملتا کہ یہ دینی تعلیم ہے اور یہ عصری یا دنیائی۔ تعلیم میں دین اور دنیا کی تفریق مغربی اور عیسائی تخیل ہے۔ یا بدھ مذہب یا ہندوں اور جوگیوں کا ہے[39]۔ تعلیم ایک مقدس عمل ہے، جس کو دنیائی اور دینی خانوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا، بلکہ تقسیم سے اس کی تقدیس پر حرف آتا ہے۔ تعلیم فکر وعقیدہ کی اصلاح، مکارمِ اخلاق اور تربیتِ عمل و سلوک سے عبارت ہے، جس کی تکمیل[40] و تصحیح کے لیے انسانوں میں سے عظیم لوگ منتخب کیے جاتے ہیں۔ دیگر انبیاء کی طرح خاتم النبیین والمرسلین محمد رسول اللہ تمام انسانوں کے لیے رول ماڈل[41] ہے۔ جن کے تعلیم نے اپنے زیر تربیت شاگردوں میں مختلف رنگی، قومی، لسانی وعلاقائی ہونے کے باوجود تفاہم، قربت، وحدت و محبت اور ایک امت ہونے کا جذبہ پیدا کیا تھا اور ایک عالمی فکر { world view } پر امادہ کیا تھا۔

تعلیم اور مقاصدِ تعلیم میں ہم آہنگی

انسان دنیا میں خدا کا نائب بن کر آیا ہے، جس کا مقصدِ وجود ہی **بندگی رب اور حاکمیتِ الٰہی کا قیام** ہے۔ سیرتِ نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں تعلیم کا مقصدِ وحید بندگانِ خدا کی جامع تربیت ہے۔ یہ تعلیم نہ صرف روحانیات پر مرتکز ہے اور نہ صرف مادیات کی حصول کے لیے بندے کو تیار ترتی ہے، بلکہ اسلام میں تعلیم کی نقطہ نگاہ بہت ارفع اور وسیع ہے، جو دنیا اور انسان کی آخرت دونوں کو مدِ نظر رکھتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی آیت: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً﴾[42] سے صاف واضح نظر آتا ہے۔

ریاست کی رسمی تعلیم میں ابتدائی تعلیم سے لیکر اعلیٰ تعلیمی اداروں { کالجز اور جامعات } میں دی جانی والی تعلیم شامل ہیں، خواہ وہ عام تعلیم ہو یا پیشہ وارانہ تعلیم، اس کے چند مقاصد ہیں، جن کے حصول کے لیے نظام تعلیم متحرک ہوتا ہے:

مقاصد تعلیم کسی ذات پات، رنگ، نسل یا مذہب وغیرہ کی تقسیم کو روا نہیں رکھتے۔ان میں مقصودِ نظر انسانیت کی بھلائی ہوتی ہے، جس کے لیے یہ انسان کی بیک وقت ذہنی، جسمانی، روحانی اور اخلاقی نشوونما کرتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر مقاصد تعلیم انسانیت میں اعلیٰ اوصاف پیدا کرنا ہے، جس سے ساری انسانیت کی بھلائی کرنا مقصود ہوتا ہے، جو فطری نظامِ تعلیم سے ممکن ہے۔اسلام ایک فطری نظام دیتا ہے، جو انسانیت کی مکمل نشوونما کرتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں دی جانے والی تعلیم پر یہ سوالیہ نشان ہے کہ تعلیم کہیں صرف روحانی اور اخلاقی نشوونما کررہی ہے، جیسے وفاق ہائے مدارس میں سائنسی اور عصری تعلیم کی کمی شدت سے محسوس کی جاسکتی ہے اور کہیں عام جامعات میں صرف مادی تعلیم دی جاتی ہے، جو عصری تعلیم یا جدید سائنسی تعلیم کے ناموں سے جانی جاتی ہے۔اس دورخی کی وجہ سے مقاصد تعلیم کے حصول میں لامحالہ مشکلات درپیش آتی ہیں۔ تعلیمی ادارے اگر اپنا تعلق مقاصد تعلیم سے درست کرلیں تو تعلیم زیادہ سے زیادہ بامقصد بن سکتی ہے۔جب ہمارا معیارِ تعلیم وحی پر منتج ہو، تب علوم کی اصل حیثیت سامنے آتی ہے،اس لیے کہ انسانی علم ناقص ہے۔(43) عقل معیار کے تابع رہ کر کامیاب ہونے والی چیز ہے۔

ریاستی نظامِ تعلیم آئین پاکستان اور قرارداد مقاصد کی روشنی میں

ریاستِ پاکستان میں تعلیم سے مراد یہ ہے کہ ہم اپنے شہریوں کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟

آئین پاکستان کی دفعات میں ہمیں یہ جواب ملتا ہے کہ : پاکستان کے مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق مرتب کرنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے اقدامات کئے جائیں گے، جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں(44)۔

مذید یہ کہ : (ا)قرآن پاک اور اسلامیات کو لازمی قرار دینا، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس کے لیے سہولت بہم پہنچانا اور قرآن پاک کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت کرنا۔

(ب)اتحاد اور اسلامی واخلاقی معیاروں کی پابندی کو فروغ دینا(45)۔

اس آئین کے مطابق اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا، قرارداد مقاصد مستقل احکام کا حصہ ہوگی(46)۔اس کے ساتھ ضمیمہ میں نقل کردہ {قرار مقاصد میں بیان کردہ} اصول اور احکام کو دستور کا حصہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ بعینہ موثر ہوں گے۔(47)

اس آئین کی رو سے اللہ تبارک وتعالیٰ کل کائنات کے حاکمِ مطلق ہے۔اسی نے مملکت پاکستان کے جمہور کو اپنے نمائندوں کے وساطت سے اختیارِ حکمرانی نیابتاً عطا کی ہے، جو ایک مقدس امانت ہے، جس میں اصول جمہوریت و حریت، مساوات و رواداری اور سماجی عدل کو، جس طرح اسلام نے ان کی تشریح کی ہے، پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے۔(48) اس کی رو سے مسلمانوں انفرادی اور اجتماعی طور پر، اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات و مقتضیات کے مطابق جو قرآن مجید اور سنت رسول میں متعین ہیں، ترتیب دیں گے۔

مقاصد تعلیم ایک ایسا پیمانہ ہے جس کے ذریعے ہم اپنی قومی سوچ کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ہماری آراء ہمیشہ منتشر رہیں گی۔ جب بنیادی مقاصد پر سرسری نظر دوڑائی جائے تو وہ کردار سازی کے گرد زیادہ گھومتے نظر آتے ہیں۔ اب اسلام جو تعلیمات کردار سازی کے لیے فراہم کرتا ہے وہ دیگر ذرائع سے نہیں مل سکتیں۔ اس کے علاوہ تعلیمی مقاصد کا حصول اس وقت آسان ہوگا، جب تعلیمی ادارے علوم کو کل کی حیثیت دیں گے، جس میں سائنسی، معاشرتی اور اخلاقی علوم یکجا ہوں۔ پھر ان علوم کی اسلامی زاویہ نظر سے بحیثیت مجموعی جھانچ پرکھ ہو، تب تعلیم مکمل انسانی نشوونما کر سکے گی، جس کے لیے ہماری تعلیمی پالیسیاں اس طرح کی عبارات سے بھری پڑی ہیں:

1. To develop a self-reliant individual, capable of analytical and original thinking, a responsible member of society and a global citizen.
2. To aim at nurturing the total personality of the individual, dynamic, creative, and capable of facing the truth as it emerges from the objective study of reality.
3. To raise individuals committed to democratic and moral values, aware of fundamental human rights, open to new ideas, having a sense of personal responsibility and participation in the productive activities in the society for the common good[49] .

مسلم ماہرین تعلیم کا مقاصد تعلیم کے حوالہ سے تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ ﴿عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾[50] (انسان جو نہیں جانتا ہے، اسے جانے) کی انسانی فطرت میں جو قدرتی صلاحیت ہے، اسی کو جہاں تک ممکن ہو، بروئے کار لانے کے لیے چمکایا جائے، مانجھا جائے، دھویا جائے، صاف کیا جائے اور قدیم تعلیم ہو یا جدید، سب کا حقیقی نصب العین یہی رہا ہے۔ تعلیم گاہوں میں جو کچھ بھی تعلیم دی جاتی ہے، اس کا تعلق علمی نظریات اور کلیات سے ہوتا ہے۔ ایسے نظریات اور کلیات جن کی روشنی میں فطرت کے قوانین واضح ہوتے ہیں۔ تعلیم کی غرض جو ہمیشہ سے تھی، وہی مقصد اب بھی ہے پہلے وہی مَا لَمْ يَعْلَمْ (جسے نہیں جانتا) کے متعلق یعلم (انہیں جاننے) کی صلاحیتوں کی نشوونما میں کوشش کی جاتی تھی اور اب بھی جبلت بشری کی اسی عجیب وغریب قدرتی ودیعت کو ابھارنے اور اُجاگر کرنے میں سارا زور صرف کیا جاتا ہے، خواہ وہ فنون کا شعبہ ہو یا سائنس (حکمت) کا۔[51]

ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی ریاست کا نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم ان مقاصد سے ہم آہنگ کیا جائے، جو قرارداد مقاصد اور آئین پاکستان میں مذکور ہیں، جو سیرتِ نبوی کے تعلیمات سے قریب تر ہے۔ ان تصورات اور ہدایات کے مطابق نصاب سازی پر توجہ دینے اور اس کو مدارس اور دانش گاہوں میں نافذ کرنے سے وہ نتائج حاصل ہو جائیں گے، جو ہر پاکستانی مسلمان اور بچے کا بنیادی حق اور ریاستی اہلکاروں کی بنیادی ذمہ داروں بھی ہے، اور ریاست میں وحدتِ رعایا
کے لیے ناگزیر بھی ہے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت کی ضرورت

موجودہ نظامِ تعلیم تربیت سے بلکل خالی ہے، جبکہ تعلیم کا بنیادی مقصد انسان کی تربیت ہے، تاکہ اس کے ذریعے انسان کے کردار اور سلوک میں وہ بہتر تبدیلی لائی جاسکیں، جو اس کے خالق ومالک کو مطلوب ہے۔ اور وہ ہے انسان کا

دوسروں کے لیے فائدہ منداور کارآمد ہونا، جیسا کہ آپ نے فرمایاہے:

«الخَلْقُ عِيَالُ اللهِ، فَأَحَبُّهُمْ إِلَى اللهِ أَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهِ» (52)

اسی طرح فساداور بگاڑ (53) کا خطرہ اس سے نہ ہو، بلکہ معاشرے کا ایک کارآمد فرد ہونے ساتھ امن وسلامتی کا پیمبر ہو (54)۔ اگر ریاست کو حقیقی معنوں میں زوال کو روکنا ہے یا اسے کمال سے بدلنا چاہتی ہے، تو افراد کی شخصیت سازی بالخصوص بچوں اور طلبہ کی اخلاقی، روحانی اور سماجی تربیت پر توجہ مرکوز کرنی ہوگی تاکہ معاشرہ امن وسکون کا گہوارہ بن سکے۔ معاشرے کی تعمیر کا انحصار افراد کی تعمیر پر منحصر ہے۔ افراد کی تعمیر میں خاندان، سماج، مدارس اور، جامعات کا کلیدی کردار ہوتا ہے۔ حال کے احوال کی تبدیلی اور مستقبل کی تعمیر، نسل نو کی تعمیر سے ہی ممکن ہے۔ نئی نسل کو ڈاکٹر ، انجینئر، ماہر قانون، کامیاب تاجر یا کچھ اور بنانے سے پہلے ایک خوش اخلاق، باوقار اور اچھا انسان بنانا ہوگا، جس کے لیے کردار و شخصیت کی تعمیر ضروری ہے۔ اچھے اوصاف واخلاق سے آراستہ لوگ انسانیت کے سفیر ہوتے ہیں۔ اسی لیے زندگی کی بے شمار ترجیحات میں شخصیت کی تعمیر کو اولیت حاصل ہے (55)۔ تعلیم کی تیز رفتار فراہمی کے ساتھ آج کا معاشرہ پاکیزہ ماحول اور تربیت کی فراہمی میں یکسر ناکام ہے، بلکہ اقبال نے اس طرزِ تعلیم کی ایک طرح سے شکایت کی ہے:

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم — کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ (56)۔

سیرتِ نبوی کی روشنی میں اس تعلیم پر نظر ثانی کرنی ہوگی، جہاں تعلیم سادہ، پیچیدگیوں سے دور، عام فہم اور کردار و تعمیرِ ذات و شخصیت پر مرتکز تھا۔ جس کی بجٹ کا میزانیہ نہ ہونے کے برابر تھا، تاہم نتائج وحاصلات { out put} کے اعتبار سے پوری دنیا کے دانش گاہیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ اس کی ایک نبیادی وجہ معاصر دانش گاہوں میں کردار کے استواری پر توجہ نہیں دی جاتی، جس کے لیے پیغمبر آخرالزماں کو بھیجا گیا تھا، آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي لِتَمَامِ مَكَارِمِ الأَخْلاقِ، وَتَمَامِ مَحَاسِنِ الأَفْعَالِ» وَذَكَرَ مَالِكٌ: أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ: «بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاقِ» (57)

اللہ تعالی نے مجھے مکارم اخلاق کے اتمام اور حسن سلوک کے اکمال کے لیے بھیجا ہے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت کی ضرورت کو موجودہ پانچ ترقی یافتہ ممالک (58) کے نصابِ تعلیم میں شامل ہونے سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان ممالک نے اخلاقیات، آداب، سماجی وانسانی، مذہبی تعلیم، اقدار اور تعمیر سیرت جیسے مضامین کو اپنے نصابات کا حصہ بنایا ہوا ہے۔ آج کا سماج یا معاشرہ ان تعلیمات کا محتاج ہے، جس سے انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ جینے اور سلوک کرنے کا لایق بنتا ہے اور زندگی سے متمتع بھی ہوسکتا ہے۔

تعلیم کی پختگی اور Positivity

ریاست کی نظام تعلیم میں ایک خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ جس سے طلبہ کے اندر خود اعتمادی اور مثبت خیالات پیدا ہو۔اس کے حصول کے لیے ان کا رشتہ و تعلق ایسے افراد سے جوڑا جائے کہ، جن کے خیالات خود مثبت اور پاکیزہ ہو۔استاذ جو معمار قوم اور مربی ہوتا ہے، ایسے مخلص اور اجلے ہوئے کردار کا مالک ہونا چاہئے کہ ان کے کردار کا عکس بچوں، طلبہ اور مستقبل کے معماران میں اچھی طرح منعکس ہو سکیں۔اسلامی فلسفہ تعلیم اور تصوف میں اسے صحبت صالح سے تعبیر کیا گیا ہے، جسے آج کل کے تعبیرات میں منٹور(mentor)، ٹیوٹر(tutor)اور اسلامی تاریخ و تعلیم میں اطالیق کہا جاتا تھا، جس کا کام بچے کا تعلیمی اور کردار کا نشو و نما[59] ہوتا تھا۔اس تعلیمی و تربیتی اہتمام، صحبت صالح اور معلم کے کردار نے خلفائے راشدین، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عمرو، عبد اللہ بن عباس، معاذ بن جبل ، عمر بن عبد العزیز اور ہارون الرشید[60] جیسے بڑے بڑے مدبر خلفاء اور مراء کو پیدا کیا، جن کا تاریخِ سلام میں بڑا نام، کردار اور مقام دیکھنے کو ملتا ہے۔

ریاست کے مستقبل کی سیادت و قیادت کے لیے علم کے ساتھ تربیت بنیادی امر ہے اور معاشرے کے استحکام اور ترقی کے لیے نہایت ضروری عمل ہے۔یہی وجہ کہ حضرت عمر تاکید فرماتے تھے کہ قیادت و سیادت سنبھالنے سے
پہلے ضروری فہم و فراست اور تربیت حاصل کرلی جائے فرمایا:

« تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تَسَوَّدُوْا» [61]

(قیادت پر فائز ہونے سے پہلے علم اور فقاہت حاصل کرو)

انسانِ اوّل کا معلم اور مربی خود اللہ تعالی ہے[62] اس لحاظ سے علم الہی روشنی اور ایک لازوال نعمت ہے، جو ترقی کے راز کا الہی زینہ اور سرچشمہ ہے۔دنیا کے ترقی یافتہ قوموں نے آج اس کے ذریعے عروج و ترقی کا راستہ طے کیا ہے ،اگر چہ وہ ایمان کے نور سے محروم ہی سہی، تاہم دنیاوی ترقی کا راز اسی میں پنہاں ہے، جبکہ اسلام میں تعلیم اور تعلم کو عبادت کا درجہ حاصل ہے اور آخری نبی مصطفی ﷺ کے معلم بھی اللہ تعالی[63] ہی ہیں، جن کی تعلیم و تربیت سے دنیا کو ترقی اور امن و سلامتی ملی۔آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے بھی علم کی اس اہمیت کو جانا اور اسے ترقی دینے کا اہتمام کیا ۔اس ضمن میں حضرت عمرؓ نے فرمایا:

(فَمَنْ سَوَّدَهُ قَوْمُهُ عَلَى الْفِقْهِ كَانَ حَيَاةً لَهُ وَلَهُمْ ، وَمَنْ سَوَّدَهُ قَوْمُهُ عَلَى غَيْرِ فِقْهٍ كَانَ هَلَاكًا لَهُ وَلَهُمْ)[64]

(جس نے اپنی قوم کی سیادت و قیادت علم و فقہ کے ساتھ کی، یہ اس کے اور اس کی قوم کے لیے باعثِ زندگی ہے اور جس نے اس کے بغیر یہ کام کیا۔یہ اس کے اور اس کی قوم کے لیے باعث ہلاکت ہے)

اللہ تعالی نے اپنے حبیب مصطفی ﷺ کو علم و فضل اور اس میں اضافہ اور رسوخ مانگنے کی تلقین[65] فرمائی ہے، جو ہمارے لیے بھی مشعل راہ ہے۔جس طرح آخرت کے لحاظ سے عالم اور جاہل برابر نہیں[66]، اسی طرح دنیا میں

بھی اس کا نتیجہ یکساں نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج مختلف علوم میں دنیا کے ترقی یافتہ ممالک مسلمانوں سے آگے ہیں اور طبعی طور پر دنیا کے قیادت انہی کی ہاتھوں میں ہے۔آپ ﷺ نے برحق فرمایا ہے کہ علم جہاد سے کم نہیں ہے:

«مَنْ جَاءَ مَسْجِدِي هَذَا لَمْ يَأْتِهِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَنْ جَاءَ لِغَيْرِ ذَلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ إِلَى مَتَاعِ غَيْرِهِ »(67)

(جو میری اس مسجد میں تعلیم و تعلم کے لیے آئے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور جو کسی اور غرض کے لئے آتا ہے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دوسروں کے ساز وسامان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے)

اس حدیث سے علم کی فضیلت واضح ہوتی ہے کہ ہم کب تک دوسرں کی طرف ایسے دیکھتے رہیں گے۔ایسے حالات میں ہم اپنی قوم کو کیسے ترقی دے سکتے ہیں؟جب تک ہم خود علم و عمل میں کمال حاصل نہیں کر لیتے اور اس میدان میں خود کفیل نہیں ہو جاتے۔ ایسے میں سیرتِ مصطفی ﷺ کا پیغام بھی یہی ہے، کہ ہم اپنی قوم کو بحیثیت اجتماعی تعلیم کی بنیاد پر ترقی دیکر دوسری قوموں کے ہمنوا بنائے، بلکہ دوبارہ دنیا کی قیادتِ کے قابل بنائیں، جو ہمارے امتِ وسط ہونے کا تقاضا بھی ہے،ارشاد باری ہے:

(هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُون)(68)

(وہی ہے، جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب کردے اگرچہ مشرکین ناخوش ہوں)

دنیا کی قیادت کے لیے علم میں رسوخ اور پختگی ضروری ہے۔بہتر آدمی وہ ہوتا ہے، جو دوسروں کو کچھ دے اور سب سے بہتر چیز دنیا میں علم ہے، جسکی فضیلت کو دنیا میں اسلام ہی نے اجاگر کیا اور اسکھایا، جبکہ موجودہ دور میں ہم دوسروں سے علم لینے والے ہیں، دینے والے نہیں۔لہذا ہم محکوم و مجبور اور دوسروں کے احسان مند ہیں۔جبکہ ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا ہے:

«الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى، وَالْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ، وَالسُّفْلَى السَّائِلَةُ»(69)

(یہ حدیث نافع حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بر سرِ ممبر صدقہ کا ذکر فرمارہے تھے اور سوال سے بچنے کی تاکید کررہے تھے کہ) "اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے" جبکہ اوپر والے ہاتھ سے مراد خرچ کرنے والا،اور نیچے والے ہاتھ سے مانگنے والا مراد ہے۔

محکومی اور زوال کی اس حالت سے نکلنا اس وقت ہماری قوم کے لیے ممکن نہیں ہے، جب تک جواں خون امت کی قیادت کے لیے صلاحیتوں سے لیس ہو کر آگے نہ آجائیں اور مختلف شعبوں کی ترقی کے لیے مختلف علوم میں کما حقہ مہارت اور کمال حاصل نہ کرلیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ہی سے محنت اور مشقت کی امید کی جاسکتی ہے،اور مستقبل کے موزوں قیادت نوجوان ہی ہیں۔اسی وجہ ہے اسلام میں جوانی کی عبادت کی بڑی پذیرائی کی گئی ہے اور سیرتِ مصطفی ﷺ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ امت کو عروج سے ہمکنار کیا جائے اور ذلت و پستی سے نکال کر باعزت مقام دلوایا

جائے[70]، جو علم میں رسوخ اور طلبہ میں Positivity، خود اعتمادی اور مثبت رویے پیدا کرنے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ایمان ویقین(Faith) کی پختگی

ایمان ویقین کے اعلیٰ معیار ومقام سے رعایا کو سرفراز کرنا ریاست مدینہ کے نظام تعلیم کا کمال تھا، جس کے نتیجے میں ان کے اندر وہ جذبہ پیدا ہوا، جس نے ان کو غفلت، بخل اور بزدلی سے آزاد کیا اور تذبذب وبے یقینی کا خاتمہ کر دیا۔ ان کے قول وقرار کو عمل سے مربوط کیا۔ ایمان کو سلوک، عمل اور رویوں(Attitude) سے جوڑ دیا۔ ایمان کا وہ جذبہ ان میں پیدا ہوا، جس سے وہ خالق کائنات کی ہیبت، عظمت، کبریائی اور محبت سے سرشار اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت پر مائل ہو گئے۔ ایمان ٹھیک ہونے سے زندگی کے سارے معاملات درست ہو جاتے ہیں۔ ایمان آدمی میں اچھا کردار پیدا کرتا ہے اور چوری، جھوٹ، خیانت، رشوت، دھوکہ، فسق وفجور، شراب خوری، زنا اور دیگر رذائل اخلاق سے باز رکھتا ہے۔ ایمان آدمی میں استقامت پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ ایک صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے نصیحت کے لیے درخواست کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« قُلْ: رَبِّيَ اللَّهُ، ثُمَّ اسْتَقِمْ »[71] "کہو! میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اسی پر استقامت اختیار کرو"۔

ایمان ویقین کی اسی طاقت نے دنیا میں ایک مثالی انقلاب برپا کیا۔ علم، اخلاق، فکر و فلسفہ، سیاست اور حکومت کے میدان میں ایسی بے شمار عبقری شخصیات پیدا کیں، جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ایمان حق پر استقامت، ثابت قدمی اور اولی العزمی کا نام ہے[72]، جو علمِ حقیقی سے صاحبِ کردار علماء کے تعلیم وتربیت سے پیدا ہوتا ہے، اقبال نے اس علم کی توصیف ان لفاظ میں بیان کی ہے:

جس علم کے سائے میں تیغ آزما ہوتے تھے ہم دشمنوں کے خون سے رنگین قبا ہوتے تھے ہم[73]۔

لہذا یہ جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارے ریاستی نظامِ تعلیم میں وہ کونسی خرابیاں ہیں، جو کہ رعایا میں حق و باطل، سچ وجھوٹ میں تمیز پیدا نہیں کرتا۔ حق کے لیے استقامت، ثابت قدمی اور ہمت وجرات نہیں سکھاتا۔ خرابی دور کرنے کے لیے آگے بڑھنے پر آمادہ نہیں کرتا۔ اسی طرح دیگر معاملات زندگی کے بارے میں درست رویہ اپنانے کے دواعی ان میں پیدا نہیں ہوتے۔

نیت وارادہ کی تصمیم، پختگیء کردار اور تعلیم

سیرت نبوی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیم کے ذریعے اپنے ماننے والوں کے نیت و

ارادہ

کو وہ عزم وپختگی عطاء کی، جس کے بغیر ان کی شخصیت کی تعمیر ناممکن تھی، کیونکہ عمل و کردار میں نیت[74] کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ نیت ایک اچھے بیج کے مانند ہوتا ہے، جس سے عمدہ پھل حاصل ہوتے ہیں۔ عمدہ شخصیت کی تعمیر میں نیت کی درستگی کے ساتھ پختگی پر اسلامی تعلیمات میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، لیکن ہماری ریاست اپنے تعلیم کے ذریعے اپنے رعایا کے دل ودماغ میں نیت کی یہ تصمیم اور پختگیء کردار پیدا کرنے میں ناکام ہے۔

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو   ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیِ کردار[75]

رعایا کو اپنے ملکی تعلیم، مہارت، بیانیے، قیادت اور نظامِ کار پر بلکل بھی اعتماد نہیں ہے۔اس کی وجہ کہ ریاست میں انتشار، افتراق ہے، گروہی و مذہبی، لسانی و علاقائی بنیادوں پر وسیع خلیج حائل ہے۔ لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی تعلیمی نظام میں ان خامیوں کی نشاندہی کی جائے، وجوہات تلاش کی جائے اور ان کمزوریوں کی سدِ باب کے لیے عملی کوششیں جائے۔

عمل پر امادگی اور تعلیم

تعلیم جو تربیت سے عبارت ہے، عمل کے لیے انسان کو امادہ کرتا ہے۔ جس طرح قرآن عمل کی کتاب ہے، اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سخت جدوجہد اور تحرک سے عبارت ہے اور مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔[76] صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کو رسول اکرم ﷺ کے اتباع میں محنتِ شاقہ اور ڈسپلن ہی نے برتر انسان بنایا، جنہوں ﷺ نے ہماری محنت کی سمت اور سانچے کا تعین فرمایا ہے۔ سمت متعین نہ ہو، عمل غلط ہو اور نیت درست نہ ہو تو محنتیں رائیگا جاتی ہیں۔ لہذا سیرت نبوی نے ہمیں درست سمت کے ساتھ درست نیت و عمل سے سرفراز کیا ہے، اور متوازن شخصیت کی تعمیر میں سعی و عمل پر ابھارا ہے:

﴿وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾[77]

"اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے"۔

شخصیت کی تعمیر محضِ خواہش علم، غور و فکر اور اچھی نیت و ارادے سے انجام نہیں پاتی، بلکہ شخصیت کی معاون عناصر کو عمل کے قالب میں ڈھالنے اور آرزؤں کو حقیقت میں بدلنے سے ممکن ہوتی ہے، جیسا کہ سابقہ آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

لہذا ضروری ہے کہ ریاستی نظامِ تعلیم میں انسانی شخصیت کی تعمیر میں سعی و عمل پر ابھارنے والے عوامل کو نہ صرف تلاش کیے جائیں، بلکہ اس سے کام لے کر عمل سے فرار اور تن آسانی کے رویوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔
خواہشات[78] سے آگے عمل، سعی و کوشش اور تدابیر اختیار کرنے سے بیج کو سایہ دار، ثمر آور شجر میں تبدیل کرنے اور خواہش کو عمل کے سانچے میں ڈھالا جائے۔

صبر و شکر کے ساتھ عمل میں تسلسل کی تعلیم

سیرت بنوی کی روشنی میں ریاستی تعلیمی نظام کا جائزہ لیتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ شخصیت کے تعمیر میں نتیجہ عمل آخری مرحلہ ہے۔اس کی حصول کے لیے تسلسل اور عملِ پیہم کے ساتھ صبر و شکر کے رویے پیدا کرنا ضروری اور مقاصد تعلیم میں شامل ہیں۔ کامیابی کی صورت میں آدمی غرور و تکبر کا شکار ہو سکتا ہے، تو ناکامی کی صورت میں ناامیدی اور بے یقینی کا۔ لہذا سیرت نبوی کی روشنی میں شخصیت کی تعمیر کا ایک اصول یہ ہے کہ آدمی اپنی کامیابی کو فضلِ لہی سے تعبیر کرے اور کامیابی پر شکر بجالائیں۔ تکبر و غرور سے اپنے آپ کو بچائیں۔اسی طرح ناکامی کی صورت میں اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا جائزہ لیں[79] اور صبر و استقامت کا دامن ہاتھ میں تھامے رکھیں اور ناامیدی کے بجائے

حکمت و دانش سے کام لے کر کامیابی کے بہتر راستے ڈھونڈے۔ عمل میں دوام واستقامت اور جہدِ مسلسل سے نتائج کے حصول کی عادت ڈالیں کیونکہ مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد میں تسلسل درکار ہوتی ہے۔ سیرت کا پیغام بھی یہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ» [80]

اس وقت تک کوشش جاری رکھی جائے، جب تک محنت رنگ نہ لائے۔ اس کے لیے خواہ کتنی ہی محنت ومشقت اور اذیت وتکلیف سے گزرنا پڑے۔ یہی فکر حقیقی طور پر انسان کی شخصیت کو سنوارنے، فخر اور تقلید کے قابل بناتی ہے [81]۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم | جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں [82]

اجتماعی ومعاشرتی آداب اور تعلیم

نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ روحانی پیشوا ہونے کے ساتھ معلم اخلاق بھی تھے۔ اس کے ساتھ آپ ﷺ ایک عالی ظرف مفکر، مدبر، منتظم، ماہر نفسیات اور حفظان صحت کے اصولوں کے ماہر بھی تھے۔ ایک عالیشان اجتماعی معاشرہ کے منصوبہ ساز اور روح رواں بھی تھے۔ جس طرح سماج افراد سے وجود میں آتا ہے اور افراد کی جان، عزت اور مال و آبرو کا تحفظ معاشرے کے وجود و بقاء کے لیے لازم ہے۔ بقائے انسانی کے لیے باہمی معاشرتی ضروریات کی تکمیل اسلام میں غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید اور رسول کریم کی حیات طیبہ میں اس کی اہمیت پر جگہ جگہ تعلیمات وارشادات ملتی ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالی نے انسانی حوائج اور ضروریات {بھوک وافلاس اور بیماری پرسی [83] وغیرہ} کو پوری کرنا اپنی ذاتِ باری تعالی کی ضروریات پوری کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

یہ حدیث واضح اور نہایت موثر انداز میں معاشرے میں ایک دوسرے کی ضرورتوں کو پورا کرنا، خدا پر ایمان اور دین کا کھلا تقاضا قرار دیتا ہے۔ خدا کی محبت کا ایک رخ یہ ہے کہ اس کی بندگی اور حقوق میں کسی کو شریک نہ کیا جائے تو دوسرا رخ یہ ہے کہ آدمی خدا کے بندوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارے، ان کے حقوق ادا کرے، ان کی ضرورتوں سے واقف ہو اور انہیں پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

کھانا پینا، بیمار پرسی اور تیمار داری یہ سب انسانی ضرورتیں ہیں، لیکن خدا نے ان کو اپنی بے نیاز ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے، اور ان کو اپنی ضرورت قرار دے کر نہایت موثر اور بلیغ انداز میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اسلام کی نظر میں بندوں کے حقوق کی غیر معمولی اہمیت ہے [84]۔

خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ یہ نہیں کہ اس کے بندوں سے تعلقات توڑ کر اور ان سے بیزار ہو کر جنگلوں اور غاروں میں پناہ لی جائے، بلکہ اس کا آسان اور مستند طریقہ یہ ہے کہ آدمی ان کے درمیان رہے، ان کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کی خوشیوں اور مسرتوں میں حصہ لے۔ ان کے حقوق ادا کرے، ان کی ضرورتوں کا شدید احساس رکھے اور ان ضرورتوں کو اس نیت سے پورا کرے کہ یہی حقیقی دینداری اور خدا کی رضا حاصل کرنے کا یقینی

ذریعہ ہے۔ یہی رسول ﷺ کا اسوہ اور اسلاف کا طریقہ اور دونوں جہان کی سعادت اور کامرانی حاصل کرنے کا اسلامی راستہ ہے[85]۔

آج ہم اپنے ملک کے معاشرت کو کیسے بہتر کر سکتے ہیں؟ اس کی بہتری کے لیے ہماری معاشرتی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

اللہ تعالی نے انسانی معاشرہ کی فلاح اور ان کے آپس میں رہنے سہنے کے اصول سکھانے کے لیے آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیائے کرام کو بھیجا، جنہوں نے معاشرت کو منضبط کرنے کے لیے کاوشیں کیں اور ربانی ہدایات فراہم کیں، لیکن جو جامع ہدایات اور تعلیمات نبی آخر الزماں ﷺ کی سیرت پاک میں رہتی دنیا تک کے لیے محفوظ کی گئی ہیں، اپنی مثال آپ ہیں۔ یہ تعلیمات دنیا کی کسی مصلح اور قائد کی تعلیمات میں نہیں مل سکتیں۔ بالاختصار یہ کہ آپ ﷺ نے دین اسلام کو خیر خواہی[86] قرار دیا ہے۔

لہذا ریاستی نظامِ تعلیم میں سماجی علوم کو جگہ دی جائے اور مستقبل کے سماج میں شعور بیدار کرنے کے لیے عملی اقدامات اور کوششیں بروئے کار لائی جائیں کیونکہ مدت ہائے دراز سے انحطاط کی وجہ سے اجتماعی تربیت کا نظام باقی نہیں رہا اور پرانے زمانے میں اجتماعی تربیت کی جو صورت تھی، وہ جدید زمانے کے سیاسی و تمدنی انقلاب کے مقابلے میں شکست کھا گئی اور جدید سیاسی و تمدنی انقلاب نے اس کی جگہ اجتماعی تربیت کا دوسرا نظام مرتب نہیں کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ آدمیوں کی جتنی کمی ہے، اس سے بہت زیادہ کمی تربیت یافتہ آدمیوں کی ہے۔ اس وقت دنیا میں اخلاقی، فکری، اور عمرانی انقلاب برپا کرنے کے لیے ہمیں موزون لیڈر شپ اور کارکن تیار کرنے کا اہم کام درپیش ہے۔ اس کام کے لیے ڈاکٹر یا انجینئرنگ یا سائنس وغیرہ کے ماہرین کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف ایسے لوگوں کی ضرورت ہے، جو دین اسلام اور علوم اجتماعیہ {social sciences} میں اعلی درجہ کی بصیرت رکھتے ہو[87]۔

حقیقت شناسی و اعتماد اور تعلیم

ہماری تعلیمی نظام کی تربیت میں اس چیز کی کمی یا خرابی ہے، کہ وہ طالب علم میں یقینیات اور حقیقت تک رسائی، اس میں تسلیم کرنے کی ہمت و حوصلہ پیدا نہیں کرتا۔ اس حقیقت کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ خرابی نصاب میں ہے، نظام تعلیم کی خرابی ہے یا استاذ کی تربیت میں کمی ہے۔ اسلامی دینی تعلیم تو اس سلسلے میں واضح ہے کہ جانے اور حقیقت تک رسائی بغیر کوئی بات کو آگے نہ پہنچائی جائے[88] اور نہ اس پر عمل کی بنیاد رکھی جائے[89]، لیکن حقیقت ہمارے سامنے ہے کہ ہماری پوری سماج کی گاڑی الٹ چل رہی ہے۔ اجتماعی طور پر معاشرہ بے یقینی اور تذبذب کا شکار ہے۔ تعلیم و تربیت میں کوئی ایسی خرابی ہے کہ ان میں یقین اور اعتماد پیدا نہیں کرتا۔

افراد کے اوپر نبوی تعلیم کا اس قدر اثر تھا کہ ان میں اعتماد اور یقین کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ مخالفین اور دشمنانِ اسلام نے اسے غرور قرار دیا تھا، جیسا کہ باری تعالی نے اسے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ﴾[90]

اقبال نے مومن کی اس قوت کو فولاد قرار دیا ہے:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن (91)

سیرت نبوی کی روشنی میں اپنے تعلیمی و تربیتی نظام میں یہ خوبی پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ جس سے طلبہ میں خصوصاً اور سماج میں عموماً اعتماد و یقین اور قوت کی کیفیت پیدا ہو، تاکہ حقیقت سے آگاہی کے بغیر کوئی اقدام نہ اٹھانے کا حوصلہ ان میں پیدا ہو اور ان کا عزم و حوصلہ بلند ہو۔

ریاستِ پاکستان میں دینی مدارس کا خود مختار نظامِ تعلیم

قرآن مجید اور سیرت نبوی کے تعلیمات کا بنظرِ غائز جائزہ لینے کے بعد ایک مسلمان طالبِ علم اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ خدائے کائنات ایک ہے، اس کا آخری نبی حضرت محمد ہے، جس پر اللہ تعالی نے آخری مقدس اور محکم و محفوظ کتاب قرآن مجید نازل فرمائی ہے۔ خدائے واحد اور نبی مہرباں کے تعلیمات سے انسانوں کو منور کرنا، ان کے ذریعے ان کی تربیت اور شیرازہ بندی کرنا اس نظامِ تعلیم کے تقاضے اور مقاصد ہیں اور جن مقاصد کے لیے اللہ تعالی نے یہ کتاب اتاری ہے، اور نبی کو بھیجا ہے، ان پر ایمان رکھنے کے ساتھ اس کے علم کا حصول اور نفاذ کے لیے کوششیں بروئے کار لانا ان مدارس کی اہم اور اولین ذمہ داری ہے۔ ان کوششوں کا مقصد قرآن مجید اور سیرت نبوی کے تعلیمات کے نفاذ کے لیے ایک منظم معاشرہ اور اجتماعیت (92) کو پروان چڑھانا لازمی اور ضروری امر ہے، کیوں کہ اس کے بغیر ایک صالح اور منظم معاشرہ تخلیق و قائم کرنا محال ہے۔

لیکن جن مذکورہ پاکیزہ اغراض و مقاصد کے لیے ان دینی مدارس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے اور جو کوششیں ان پلیٹ فارموں کے ذریعے ہو رہی ہیں، ان مقاصد کے حصول سے بہت دور اور ان پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے۔ اہل مدارس افتراق و انتشار کے نہایت ہی افسوس ناک صورت حال سے دوچار ہیں۔ جس کی وجہ سے خصوصاً پاکستانی اور عموماً برصغیر کا معاشرہ گروہوں اور مسلکوں میں بری طرح منقسم ہے۔ صرف پاکستان میں اس وقت غالباً پندرہ ہزار سے زائد دینی مدارس قائم ہیں، جن میں تقریباً دو {۲} ملین طالب علم پڑھ رہے ہیں۔ ان کا مقصد بنیادی مصادر علم قرآن و سنت کو سمجھانے اور اس کی عصری تعبیر سے ان کو مصلح کرنا ہوتا ہے، لیکن اس نصاب اور نظامِ تعلیم سے ان میں حب الوطنی اور حب دینِ اسلام کے مقابلے میں حبِ مسلک و مشائخ غالب ہے۔ یہ صورت حال کسی بھی طرح سے ہمارے ملکی، دینی و فکری، ثقافتی، تہذیبی اور اجتماعی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

اس وقت نہایت ضروری امر یہ ہے کہ ان دینی مدارس کے روح رواں، خیر خواہ، دین اسلام کا درد رکھنے والے اور ملکی مقتدر افراد و شخصیات اس بات پر نہایت خلوصِ دل سے غور و فکر کریں اور ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کریں، کہ جس سے ان کی کوششوں کو ثمر آور بنایا جائیں۔ افتراق کی بجائے علومِ دینیہ کے طالبِ علم دین کے قریب ہو، ان میں باہم قربت اور اتفاق و اتحاد ہو اور افتراق سے دور ہو۔ ایک دوسرے سے بغض و عداوت اور نفرت کے بجائے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے ہوں۔ اساتذہ و مشائخ سے محبت کا درجہ محبتِ دین کے مقابلے میں ثانوی ہو، اس پر غالب نہ ہو، بلکہ اس کے تابع ہو۔ عملاً ایسے اقدامات اٹھانے چاہیے۔ مثلاً یہ کہ نصاب تعلیم میں، اساتذہ کے تربیت و

ٹریننگ میں یکسانیت و مماثلت ہو۔ایک بورڈ کے تحت رجسٹر ہو،جہاں ایک طرز پر امتحانات کا نظام کار ہو،وغیرہ۔اگر چہ یہ ایک مشکل کام ہے،تاہم ایسا کرنا ناگزیر ہے،کیونکہ مقاصدِ دین و تعلیم کا حصول اس کے بغیر ممکن نہیں۔

ریاستِ پاکستان کے زیرِانتظام عصری مدارس وجامعات کا نظامِ تعلیم

پاکستان میں دینی مدارس کے قیام اور ان کے پلیٹ فارم کے ذریعے کوششوں کا مقاصد بنیادی مصادرِ علم ؛قرآن وسنت کے فہم کو سماج میں عام کیا جائے،اس کے لیے دینی مدارس میں ایک خاص نصاب اور نظامِ تعلیم مروج ہے،تاکہ اس کے ذریعے قرآن وسنت کے فہم کے ساتھ ان میں حبِ دین اور حب الوطنی کو پروان چڑھایا جاسکے۔

اسی طرح آئین و دستور پاکستان کی دفعات عام عصری سکول اور جامعات میں تعلیم کی مقاصد یہ نشاندہی کرتی ہیں کہ مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق تعلیم کی ایسی اقدامات کئے جائیں گے،جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں[93] ۔اس غرض کے لیے قرآن پاک اور اسلامیات کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ساتھ عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی اور قرآن پاک کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت ہوتا ہے،تاکہ اتحاد اور اسلامی واخلاقی معیاروں کی پابندی کو فروغ دیا جاسکیں[94] ۔لیکن جس طرح دینی مدارس اپنی وضع کردہ مقاصد کے حصول میں ناکام ہیں،اس سے بڑھ کر ناگفتہ بہ صورت حال ان عصری اداروں؛سکول و جامعات کی ہے۔ان سے بھی بہت بدتر صورت حال سیکولر پبلک سکولوں کی ہے،ان میں دینی مدارس سے زیادہ تقریباً پینتیس {۳۵} ہزار سکول ہیں،جن میں تقریباً ۶ {چھ} ملین طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ان کی اکثریت بااثر اور مقتدر لوگوں کے بچوں کی ہے۔یہ بچے کل ملک کے سیاہ وسفید کے مالک ہوں گے۔ان کا ذہن وسوچ سیکولر بنایا جارہا ہے۔دینی مدارس کے مقابلے میں یہ بچے ذہین وفطین ہیں۔ان کو جو نصاب پڑھایا جارہا ہے،وہ کسی طرح بھی ہمارے ملک،مذہب،معاشرے اور تہذیب وثقافت سے میل نہیں کھاتا،جس کی وجہ سے ہمارا ملک ذہنی،فکری اور معاشرتی بحران کا شکار ہے اور حب الوطنی کا جذبہ مفقود ہے[95] ۔

بھلا کسی ریاست میں ایسا بھی کوئی سہ رنگی {Trica} نظامِ تعلیم رائج ہوگا،کہ ایک طرف صرف کلرکوں کو پیدا کرنے والا،تو دوسری طرف ملکی اقتدار کے لیے اشرافیہ کو اور تیسری طرف محض دینی تعلیم کا نظام قائم ہو،جن کا ملکی مشینری میں کردار نہ ہونے کے برابر ہو۔اقتدار پر قابض اور اختیارات کے مالک اشرافیہ کو قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کہ ملک کے رہنے والے طبقات میں منقسم ہو۔بھلا ایسے ریاست میں خیر وبھلائی کیسے ہوگی؟کہ جو دینی تعلیم سے بہرہ ور ہو،ان کو ملکی نظام میں دخل مداخلت سے باہر رکھا جائے۔پھر بھی ہم ملک میں خیر وبھلائی کے منتظر ہو۔یہی وجوہات ہے کہ ملک کے خزانوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جارہا ہے اور ہر طرف کرپشن کی برمار ہے۔

لہذا ملک کے آئین و دستور کا تقاضا ہے کہ ان نصابات کا بغور جائزہ لیا جائے۔اس میں یکسانیت پیدا کی جائے۔اس سے نہ صرف یہ کہ ملک کا پیسہ بے جا ضائع ہونے سے بچایا جائے گا،بلکہ مقاصدِ تعلیم کے حصول میں بھی خاطر خواہ کامیابی مل جائے گی۔

ریاستی نظامِ تعلیم میں زبان کا مسئلہ

قرآن مجید ہمارے لیے مصدر اساسی کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ جتنے بھی انبیاء کو اللہ تعالی نے بھیجا تھا، اپنی قوم کی زبان میں ان کو تعلیمات سے نوازا گیا تھا،تاکہ ان کو اچھی طرح سمجھایا جاسکے، جیساکہ قران مجید کا رشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ﴾(96)

تعلیم میں زبان و بیان کا بڑا عمل دخل ہے، اگر یہ سمجھ سے بالاتر ہو تو مقاصد تک آسانی سے رسائی حاصل نہیں ہو گی۔قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے، اس کی ابتدائی نزول اہلِ عرب میں ہوا، تو عربی زبان ہی میں نازل فرمایا، تاکہ براہ راست اس کے پیغام اور ہدایت (97) سے وہ اچھی طرح روشناس ہوسکے۔اسی قدرتی وفطری دواعی کے بنیاد پر ماہرین تعلیم نے قومی زبان میں تعلیم پر زور دیا ہے، تاکہ طلبہ کے تعلیم وتربیت اور بالیدگی میں کسی قسم کی روکاوٹ پیش نہ آئے، کیونکہ قوم کی زبان میں تعلیم زیادہ موثر ہوتی ہے (98)، بجائے غیر قوم کے زبان میں، جس میں بچوں کو تعلیم دینا ناقص و نامکمل ہوتا ہے۔اس کے ساتھ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنا بھی مشکل ہوتا ہے۔یہی وجہ تھی کہ آپ نے جتنے بھی قاصد حکمرانوں کے پاس بھیجے تھے، وہ ان کے زبان میں گفتگو کر سکتے تھے (99) تاکہ وہ ان کو براہ راست اپنا پیغام اور مدعا اچھی طرح بیان کر سکیں، ورنہ ان حکمرانوں کے پاس مترجمین کی کمی نہیں تھی۔

دیگر اقوام کی زبانیں سیکھنا ممنوع و حرام نہیں، لیکن یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ رسول اللہ ، خلفائے راشدین اور بعد کے ادوار میں خلفاء وامرائے سلطنتِ اسلامی نے اگرچہ دیگر اقوام کی زبانیں سیکھنے میں دلچسپی کا اظہار کیا اور بعض لوگوں کو اس کے سیکھنے کے لیے امادہ بھی کیا ہے، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ نے تمام تر تعلیمات اپنی زبان میں دی ہے، جو ایک حقیقت ہے، جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ نے تمام دعوتی خطوط عربی زبان میں لکھے تھے۔اس سے اس بات کی اہمیت اچھی طرح واضح ہوتی ہے کہ یہ کسی طرح قرینِ قیاس نہیں کہ تمام قوم اور ان کے بچوں کی صلاحیتیں دیگر اقوام کے زبان سیکھنے میں کھپادی جائیں۔جس طرح ہم نے اپنی قوم کو انگریزی زبان پر لگا کر ان کو بنیادی تعلیم کے حصول سے بدظن اور ناکارہ کر دیا ہے۔ہماری جمہور قوم کی جہالت کی ایک قوی سبب غالباً یہ بھی ہے، جو کسی وقت برصغیر میں ۸۷% سے بھی زیادہ بتایا جاتا ہے۔اس پر ہنوز اس قدر زور دینا پوری قوم کو غلامی کی طرف دوبارہ دھکیلنے اور جاہل رکھنے کے مترادف ہے۔اس بات کی اہمیت کی طرف برصغیر میں آئے ہوئے تعلیمی کمیشنوں کے ماہرین اور سربراہان نے بھی مادری زبان میں تعلیم دینے کی سفارش کی ہے۔مثلاً چارلس وڈ نے ۱۸۵۴ء میں حکومت کو دیسی زبان میں تعلیم دینے کو کہا، ۱۸۸۲ء میں ہنٹر کمیشن نے بھی یہی بات دہرائی ہے اور حکومت پر واضح کیا کہ وہ رعایا کو خواندہ بنانے میں اگر سنجیدہ ہے، تو ابتدائی اور وسطانی جماعتوں تک مادری زبان میں تعلیم دیں۔اسی طرح سیڈلر کمیشن ۱۹۱۷ء نے بھی یہی تجویز دی، اور بجز ریاضی اور انگریزی کے ثانوی مدارس تک مادری زبان میں تعلیم کی سفارش کی (100)۔

ان مذکورہ غیر ملکی ماہرین کے سفارشات اور دنیا کے مردہ زبان عبرانی کو زندہ کر کے دنیا میں ترقی کے مدارج طے کرنے والے ملک اسرائیل اس بات کی علامت ہے، کہ قومیں اپنی مادری زبان میں تعلیم کے ذریعے جلد اور بہتر ترقی کر سکتی ہے۔ لیکن ہمارے لیے غلامی کے اس سے بدتر مثال کیا ہو سکتی کہ ہم ۷۵ سال سے آزاد ہونے کے باوجود اپنے بچوں کو غلام اور جاہل بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ جس ملک کے بچوں کو اپنی مادری زبان میں اپنی مافی الضمیر بیان کرنے کا سلیقہ اچھی طرح آنہیں سکا، ان سے انگریزی میں یہ مطالبہ لایعنی ہے۔ سماج کا ایک بہت بڑا حصہ تعلیم سے اس لیے اوٹ ہوتا ہے، کہ ان کو انگریزی نے تھکا دیا ہوتا ہے۔

لہذا سیرت کے مطالعہ اور جدید تحقیقات سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو قومی زبان میں تعلیم دینے کے ساتھ نصابات اور طریقہ تدریس پر غور کریں اور مثبت تبدیلیاں اس سلسلے میں لے کے آئیں۔

ریاستی نظامِ تعلیم میں ہم نصابی سرگرمیوں کا جائزہ

تعلیم کے ساتھ جسمانی کھیل و تفریح اور نشاط و فرحت کا متوازن بندوبست ذہنی نشاط کے لیے ہمیشہ انسانی طبعی اور فطری خواہش و ضرورت رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس فطری ضرورت کی حوصلہ افزائی کے واقعات [101] کا تذکرہ سیرت نبوی میں بھی ملتا ہے۔ ان واقعات میں مختلف النوع جسمانی صلاحیتوں کو نکھارنے، ان کو انسانی جسمانی تربیت کے ساتھ ذہنی اسودہ حالی کے لیے بھی موزون قرار دیا گیا ہے۔ تاہم سیرت نبوی میں ان جسمانی وذہنی مشاغل { activities } کو مثبت {Positive} رخ دیا گیا ہے۔ ان مشاغل کو بے جا فضولیات، وقت اور پیسے کے ضیاع سے بچایا گیا ہے، لیکن کئی دیگر ممالک کی طرح پاکستان کو بھی سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کرکٹ جیسے بے ہودہ اور فضول کھیل میں مصروف رکھا گیا ہے، جو پیسے کے ساتھ وقت کے بربادی اور اخلاق حسنہ کے زوال کے ساتھ تعلیمی بربادی کا بھی اچھا مشق ہے۔ اپنی مشرقی اور دینی روایات کو ملحوظ خاطر کر ان کھیلوں کی مناسب ترتیب اور تربیت کے ساتھ حوصلہ افزائی ضروری ہے، جیسا کہ اوپر گزر گیا۔ ان ہم نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طالب علموں کو چست و توانا رکھ کر تعلیم کو انحطاط سے بچانا بھی لازمی امر ہے۔ سیرت نبوی کے مطابق اس کی مثبت رخ کا تعین اور راہنمائی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ تعلیمی مطالعاتی دوروں کو مشاہدات [102] اور قرآنی ہدایات [103] سے جوڑ کر بامقصد بنانا چاہئے۔

نتائج مقالہ

مقالہ ھذا کے درج ذیل نتائج سامنے آئیں ہیں:

۱۔ تعلیم کے سلسلے میں وزارتِ تعلیم اپنا فعال کردار ادا نہیں کر رہا ہے۔

۲۔ تعلیم ایک مقدس عمل ہے، اس میں دوئی کا تصور نہیں، جبکہ ہمارا نظامِ تعلیم اس کا شکار ہے۔

۳۔ تعلیم جس مہذب انسان سازی کا نام ہے، ہماری ریاست اس میں ناکام ہے۔

۴۔ تعلیم کسی بھی قوم کی اپنی اگلی نسلوں میں اپنی روایات و اقدار منتقل کرنے کا اہم ذریعہ ہے، جبکہ ہماری ریاست ایسا کرنے اور کردار و شخصیت کی تعمیر میں بھی یک سر ناکام ہے۔

۵۔ ہمارا نظامِ تعلیم آئینِ پاکستان، قرار دادِ مقاصدِ تعلیم سے بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔

۸۔ سماجی آداب، اتقانِ عمل، سلوک وعقیدہ کی پختگی، مثبتیت اور احساس ذمہ داری جیسے امور کو پروان چڑھانے میں ہمارا نظامِ تعلیم فعال کردار ادا نہیں کر رہا۔

۹۔ غیر متوازن نصابات، لازمی انگریزی زبان اور غیر ضروری کھیلوں نے شرح تعلیم کو متاثر کیا ہے۔

۱۰۔ کسی بھی ریاست کا بنیادی عقیدہ ہوتا ہے، جس کی وہ پاسدار ہوتی ہے، ہماری ریاست اپنے بنیادی عقائد کی پاسداری میں ذمہ داری کا ثبوت نہیں دے رہا ہے۔

سفارشاتِ مقالہ

مقالہ ھذا کے سلسلے میں درج ذیل سفارشات مرتب کیے جاتے ہیں:

۱۔ مملکت خداداد پاکستان کو ہر لحاظ سے بدلتے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کے تمام اداروں کے کردار کو بشمول وزارتِ تعلیم کو جاندار اور فعال بنانے کی ضرورت ہے۔

۲۔ اچھی اور مثالی ریاست کے استحکام کے لیے جس طرح معاشی استحکام ضروری ہوتا ہے، اسی طرح معیاری نظامِ تعلیم بھی نہایت ضروری ہے۔ اس کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۳۔ تعلیم مہذب انسان سازی سے عبارت ہے۔ نبوی سیرت اور ریاستِ پاکستان کے طے شدہ مقاصد تعلیم کی روشنی میں متعین اہداف کو حاصل کرنے کے لیے اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۴۔ تعلیم کسی بھی قوم کی عادات، اہداف اور روایات کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے کا عملی کام ہے، اس لیے مذاہبِ عالم میں اس کے اہتمام کا کسی نہ کسی طرح تذکرہ ملتا ہے، جبکہ اسلام نے معرفت الٰہی کے ساتھ اسے مرد و عورت پر لازم قرار دیا ہے، لہذا اس پر توجہ دینا مذہبی فریضہ اور وقت کی بھی ضرورت ہے۔

۵۔ ایک اسلامی مملکت کی حیثیت سے ریاستی نظامِ تعلیم میں عقیدہ توحید و رسالت دونوں ہمارے لیے سرچشمہ ہدایت اور سرمایہ افتخار ہیں، کو نصابِ تعلیم اور تدریس میں مقامِ اول پر رکھنا اس لیے ضروری ہے، کہ جس سے وحدتِ امت فروغ پائی گی، مضبوط سیاسی نظام کے قیام میں آسانی ہو گی۔ معاشرتی عدل و مساوات اور قانون کی بالادستی میں بھی نہایت موثر رہیں گے، یوں دنیاوی آسائشوں کے حصول کے ساتھ اخروی کامیابی بھی یقینی ہو جائے گی۔

۶۔ ریاستی استحکام کے لیے فکر و عقیدہ اور سوچ و کردار میں یک رنگی اور ہم رکابی کے ساتھ اپنی روایات اور تعلیمات سے ہم آہنگ ایک متوازن نصابِ تعلیم کی فراہمی قوم کو ایک مقصد اور ایک بیانیہ کی طرف پیش رفت کے لیے ضروری ہے، تاکہ خانوں، گروہوں میں تقسیم سے بچا کر ان میں تفاہم، قربت، وحدت و محبت اور ایک امت ہونے کا جذبہ پیدا ہو۔

۷۔ محض تعلیم نہیں بلکہ ایک خوش اخلاق، باوقار اور اچھا انسان تیار کرنے کے لیے کردار و شخصیت کی تعمیر کے لیے تربیت نہایت ضروری ہے۔ نظامِ تعلیم میں اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

۸۔ علم؛الٰہی روشنی اور لازوال نعمت ہے۔ قوموں کی عروج و ترقی کا راستہ یہیں سے گزرتا ہے،اس لیے اسلام میں حصول علم کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور اس کو پختگی کے ساتھ مثبتیت Positivity، سلوک، عمل اور رویوں (Attitude) کی درستگی سے جوڑا ہے۔ لہذا تعلیم میں نیت وارادہ کی تصمیم سے عمل میں استقامت کے ساتھ صبر وشکر، خودشناسی، اعتمادی میں اس سے کام لیا جائے۔

۹۔ اجتماعی انحطاط کو روکنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ریاستی نظامِ تعلیم کو سماجی علوم اور معاشرتی آداب سے جوڑ دیا جائے۔ اس حوالے سے سماج میں شعوری بیداری کے لیے عملی اقدامات اور کوششیں بروئے کار لائی جائیں اور اجتماعی تربیت پر توجہ دی جائے۔

۱۰۔ مستقبل کی سماج کی تربیت کا اہم ذریعہ نصابِ تعلیم ہے، آئین ودستور کا تقاضا ہے کہ ان نصابات کا بغور جائزہ لیکر اس میں یکسانیت پیدا کی جائے۔ کئی نصابات سے اسلام کے نبیادی حکم اعتصام بحبل اللہ سے انحراف کے ساتھ قوم وملک کے وقت، محنت اور پیسے کا ضائع ہو رہا ہے، اس کو بچانے اور مقاصدِ تعلیم کے حصول کا بہتر طریقہ یہی کہ اسے متوازن نصاب میں بدلا جائے۔

۱۱۔ ہم نصابی سرگرمیوں کو طلبہ کے تعلیم اور مقاصد تعلیم سے ہم آہنگ کیا جائے۔اس سلسلے میں تعلیمی انحطاط کو غیر ضروری کھیلوں اور انگریزی زبان کے لازمی اور غیر ضروری بوجھ سے بچایا جائے۔

حوالہ جات

---

1) دیکھئے:م-https://dunya.com.pk/index.php/author/khursheed-nadeem/2021-04-12/34889/83580233 اپریل2021۔

2) مقالاتِ سیرت، نورحیات خان، ڈاکٹر(ریاستِ مدینہ اور اسلامی فلاحی مملکت تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں)،10 نومبر 2019، ص:۱

3) ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (سورة العلق: 5)

4) الراغب، الحسين بن محمد الأصفهاني ، المفردات في غريب القرآن، دار العلم الدار الشامية ،دمشق ، بيروت 1412ھ،۱/۵۸

5) ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر:9) ﴿يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ﴾(المجادلة:11)

6) سید محمد سلیم، پروفیسر، ہندوپاک میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۴۱۴ھ، ص:۳۰۔

7) https://ur.wikipedia.org/wiki/%D8%AA%D8%B9%D9%84%DB%8C%D9%85%85

8) دیکھیے: تفسیر عباس، درس گاہ صفہ کا نظامِ تعلیم وتربیت، زاویہ پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۴م، ص: ۴۰-۳۹۔

9) دیکھیے: اقبال خان، جدید فلسفہ تعلیم {ترجمہ: مسعود اشعر}، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۰م، ص: ۱۴

10) ﴿أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى﴾ (طه:133) ﴿إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى. صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى﴾ (الاعلی:19-18)

11) ﴿ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ (المائدة:48)

12) ﴿ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ (البقرة:256، ایضا لقمان: 22)

13) ﴿ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ﴾ (البقرة:185)

14) ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (طه:114) وعَنْ جَابِرٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ سَلُوا اللَّهَ عِلْمًا نَافِعًا ، وَتَعَوَّذُوا بِاللَّهِ مِنْ عِلْمٍ لاَ يَنْفَعُ (ابن ماجة ، محمد بن يزيد القزويني ، السنن، حواشي : محمود خليل، مكتبة أبي المعاطي، إسناده صحيح، حديث نمبر: 3843)۔

15) ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ (سورۃ القلم: ۱)

16) https://dunya.com.pk/index.php/special-feature/2023-02-22/26469

17) ﴿لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ () قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ۱۶۳-۱۶۴)، (دیکھیے ایضا: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ () اللَّهُ الصَّمَدُ () لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ () وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (سورۃ الاخلاص: ۱-۴)

18) ا بن عبد البر ، أبو عمر يوسف بن عبد الله، جامع بيان العلم وفضله، تحقيق: أبي الأشبال الزهيري، دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية، 1994م، حديث : 30، ص: 1\38)

19) مولانا گوہر رحمان، علوم القرآن، مکتبہ تفہیم القرآن، مردان، ۲۰۰۳ء، ۲/۳۴

20) ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (سورۃ البقرہ: ۳۰)

(21) رستمی، علامہ عبد السلام، مسئلہ ختم نبوت قرآن وسنت کی روشنی میں، مرکزی دفتر جعیہ اشاعت التوحید والسنۃ، پشاور، 1426ھ، ص: 11

(22) محمد احمد ترازی، تحفظِ ختمِ نبوت، اکابرین ملت اور ہماری ذمہ داریاں، خصوصی تحریر، بموقعہ 7 ستمبر یوم ختم نبوت 2019۔

(23) الانعام: 124

(24) الاحزاب: 40

(25) المائدہ: 3

(26) «وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ» (صحیح مسلم، كِتَاب الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلَاةِ، حدیث: 812، دار الجیل بیروت، 3/109)

(27) الاعراف: 158

(28) ﴿يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾ (الاعراف: 73)

(29) الاحزاب: 71

30) دیکھیے: مقالاتِ سیرت، ریاستِ مدینہ اور اسلامی فلاحی مملکت تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں، ص: ۲-۳

31) اس لیے اقبال کہتے ہیں: زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علمِ کلام (ضربِ کلیم ص: ۴۷)

32) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَالَ يَا أَبَا سَعِيدٍ مَنْ رَضِيَ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ (مسلم، حدیث: 3496)

---

(33) مودودی، سید ابوالاعلی، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص:۱۴۸

(34) سورۃ البقرہ:208

(35) سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو (سورۃ ال عمران:103)

(36) سید محمد سلیم، پروفیسر، مغربی نظامِ تعلیم {تنقید و تبصرہ}، ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، اگست، ۲۰۰۲، ص:۹۔

(37) ایضا، ص:۱۷۔

(38) ایضا، دیکھیے ص:۱۹۔

(39) دیکھیے: اساسیاتِ تعلیم، مجلس ادارت: پروفیسر ڈاکٹر مہر سعید اختر، وغیرہ، ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم اساتذہ پاکستان: ص، ۱۲۴

(40) إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ (مسند أحمد ،مؤسسة قرطبة – القاهرة،عَن أَبِي هُرَيْرَةَ ،حديث : 8939)

(41) ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب : 21)

(42) البقرة :201

(43) ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ (البقرة :255)

(44) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور: محمود سلیم محمود، سیکڑی قومی اسمبلی پاکستان، اسلام آباد 31 جولائی 2004ء۔ شق 31(I)

(45) دستور پاکستان، شق 31(۲)

(46) ایضاً: شق ۲(الف)

(47) ایضاً: شق: ۲(ب)

(48) ضمیمہ شق ۲

(49) National Education policy 2009, Ministry of Education, Government of Pakistan, revised Aug., 2009.p: 17

(50) سورة العلق:5

(51) مزید تفصیل دیکھیے: سید مناظر حسن گیلانی، مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸۔ ص:۲۰۵، ۲۰۶۔

(52) أبي يعلى ، أحمد بن علي ، مسند ،تحقيق: حسين سليم ، دار المأمون للتراث، جدة، 1989م ،حدیث:3315، ص:۶\۶۵۔

(53) ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم:41)، ایضا دیکھئے:(القصص:77) ،(المائدة:64)

(54) المؤمن من أمنه الناس والمسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (مسند احمد، تعليق شعيب الأرنؤوط : إسناده صحيح على شرط مسلم ،حدیث:12583)

(55) https://www.jasarat.com/blog/2018/04/03/farooq-tahir-14

(56) اقبال، بانگِ درا، رابعہ بک ہاوس، لاکریم مارکیٹ لاہور، ص:۱۸۷۔

(57) البغوي، محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود ،شرح السنة عَنْ جَابِرٍ،تحقيق: شعيب الأرنؤوط–محمد زهير الشاويش ، المكتب الإسلامي – دمشق، بيروت ،1983م،حدیث:3622، 13\202۔

(58) ان ترقی یافتہ ممالک میں جاپان، کوریا، سنگاپور، ہانگ کانگ اور فن لینڈ شامل ہے۔{https://ibcurdu.com/news/102039}

(59) https://ur.wikipedia.org/wiki/{۲۰۲۴/۳/۲}

(60) ہارون رشید کے تعلیم و تربیت میں معروف اسکالر اور قراء سبعہ میں سے امام علی بن حمزہ بن عبداللہ الاسدی الکوفی الکسائی کا بڑا کردار رہا ہے، جنھوں نے آپ کی پرورش کی اور اسے پڑھایا۔{أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الحموي ، معجم الأدباء أو إرشاد الأريب إلى معرفة الأديب ، تحقيق : دار الكتب العلمية 1991م ، بيروت،ص: 4|87}

(61) ابن عبدالبر،یوسف بن عبداللہ، جامع بیان العلم وفضلہ، باب: فضل التعلم فی الصغر والحض علیہ، تحقیق: أبوالأشبال الزھیری، دار ابن الجوزی، السعودیۃ، ۱۹۹۴م، ۱/۳۶۶

(62) ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ ﴾ (البقرة:31)

(63) ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ (النساء:113)

(64) الدَّارِمی، عَبْدُاللہِ بْن عَبْدُالرَّحْمٰنِ، مسند معروف بسنن دارمی، باب: کراھیۃ الفتیا، حدیث نمبر: ۲۵۷، تحقیق: حسین سلیم أسد، ۱/۳۱۵

(65) ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (سورہ طہ:۱۱۴)

(66) (هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ) (الزمر:۹)

(67) ابن ماجہ، باب فضل العلماء ولحث علی طلب العلم، دار الفکر—بیروت، تحقیق: محمد فؤاد عبدالباقی، حدیث نمبر: ۲۲۷، ۱/۸۲

(68) دیکھئے: سورۃ التوبہ: ۳۳، سورۃ الصف: ۹

(69) مالک بن أنس، موطأ، باب التعفف عن المسألۃ، تحقیق: بشار عواد معروف، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۲ھ، حدیث نمبر: ۲۱۰۸، ۲/۱۷۷

(70) مجلہ، ہزارہ اسلامک کس: مستقبل کے چیلنجز میں طلبہ کا کردار (سیرتِ طیبہ کی روشنی میں)، شمارہ نمبر ۵، جلد ۲، دسمبر ۲۰۱۶ء، ص: ۲۷۔

(71) سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر:3972، 116/5

(72) https://www.jasarat.com/blog/2018/04/03/farooq-tahir-14

(73) اقبال، بانگِ درا، ص: ۱۶۳۔

(74) «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ»(صحیح بخاری ،باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ، دار الجيل بيروت، حدیث:1 ،3/1)

(75 اقبال، ضربِ کلیم، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص: ۶۳

(76) (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) (الاحزاب: ۲۱)

(77) (سورہ النجم: ۳۹)

(78) احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجَزْ وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ (صحيح مسلم ،حديث :4816) محض خواہشات اور امکانیات کا طلب گار نہیں رہنا چاہئے، بلکہ عملی اقدامات کو بروئے کار لانا حدیث کا منشاء ہے۔ سستی اور اندیشوں سے شیطان کے لیے دروازہ کھلتا ہے۔

(79) (وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ) (الشوری:30)

(80) عبد الله بن المبارك ،الزهد والرقائق (يليه «مَا رَوَاهُ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ فِي نُسْخَتِهِ »،تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي ، دار الكتب العلمية بيروت ،حدیث:1329 ، 468/1)

(81) https://www.jasarat.com/blog/2018/04/03/farooq-tahir-14

(82) علامہ اقبال، بانگ درا {طلوعِ اسلام}، رابعہ بک ہاوس، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، ص: ۲۴۱

(83) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي قَالَ يَا رَبِّ وَكَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ أَمَا إِنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذَلِكَ عِنْدِي» (صحيح مسلم ، بَاب فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ ،حدیث نمبر:4661)

(حضرت ابو ھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن اللہ کہے گا، اے ابن آدم میں بیمار پڑا تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ وہ کہے گا: اے میرے رب میں کیسے آپ کی بیمار پرسی کرتا آپ تو رب العالمین ہیں؟! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تُو نے اس کی بیمار پرسی نہیں کی! کیا تو یہ نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا! اے آدم کے بیٹے، میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے مجھے نہیں کھلایا! وہ کہے گا: اے میرے رب، میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا آپ تو رب العالمین ہیں؟! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو یہ نہیں جانتا کہ

میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تو تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا! کیا تو یہ نہیں جانتا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اس کا اجر مجھ سے پاتا! اے آدم کے بیٹے، میں نے تجھ سے پینے کو کچھ مانگا تو نے مجھے نہیں پلایا! وہ کہے گا: اے میرے رب میں کیسے آپ کو پلاتا آپ تو رب العالمین ہیں؟! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تو یہ نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کو کچھ مانگا اور تو نے اسے نہیں پلایا! کیا تو یہ نہیں جانتا کہ اگر تو اسے پلاتا تو اس کا اجر مجھ سے پاتا)۔

(84) مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا ، نَفَّسَ اللَّهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (ابن ماجه ،**حدیث نمبر**:225)

(85) **اصلاحی، مولانا محمد یوسف، اسلامی معاشرہ اور اس کی تعمیر میں خواتین کا حصہ، البدر پبلیکیشنز، ۲۰۱۶، ص:۶۸، ۶۹**

(86) قَالَ الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ (صحيح مسلم ،**حدیث نمبر**:82)

(87) **دیکھیے: مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تعلیمات، اسلامک پبلیکیشنز، منصورہ ملتان روڈ لاہور، ص: ۷۳-۷۴**

(88) (وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ)(الاسراء:36)

(89) (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ)(الحجرات:6)

(90) الانفال: 49

(91 **اقبال، ضربِ کلیم، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص:۶۳**

(92) (وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا) (آل عمران: 103)

(93) **اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور: محمود سلیم محمود، سیکرٹری قومی اسمبلی پاکستان، (تیسری اشاعت) اسلام آباد، 31 جولائی 2004ء۔ شق 31(I)**

(94) **دستور پاکستان، شق 31(۲)**

(95) **خدو خیل، شیریں زادہ، عہد رسالت کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، الفیصل ناشران، غزنی سٹریٹ لاہور، ص،۲۴۷**

(96) سورۃابراهيم:4

(97) ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ (سورۃيوسف: **2**)

(98) **آپ کے پاس مختلف قبائل کے وفود جب بھی آتے، تو آپ ان سے ان کی زبان میں گفتگو فرماتے، جیسا کہ یمن کے اشعری قبیلے کے زبان میں ان سے بات چیت کی تو صحابہ حیران ہو گئے، جیسا کہ اس حدیث میں وارد الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں:** «لَيْسَ مِنَ امْبِرِّ امْصِيَامُ فِي امْسَفَرِ» (مسند حميدى ،حديث:888) **خطیب بغدادی کہتے ہیں:** وَهَذَا لُغَةُ الْأَشْعَرِيِّينَ ،يَقْلِبُونَ اللَّامَ مِيمًا (الكفاية في علم الرواية،ص:۱/۱۸۳)

(99) **ان میں عمرو بن امیہ الضمری {نجاشی کو}، دحیہ کلبی {قیصر کو}، عبد اللہ بن حذافہ {کسری کو}، حاطب بن ابی بلتعہ {مقوقس کو}، شجاع بن وہب {حارث بن ابی شمر غسانی کو} سلیط بن قیس {حاکم یمامہ کو بھیجا تھا} شامل ہیں۔ {دیکھئے: طبقات ابن سعد، ۱/۲۰۷، ۱/۲۵۸، عہد رسالت کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، ص،۹۸}**

(100) **دیکھئے: عہد رسالت کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، ص،۱۰۴**

(101) **جیسے، گھڑ دوڑ، اونٹ دوڑ، تیراکی، تیر اندازی، کشتی، مقابلہ دوڑ، وغیرہ {دیکھئے: عہد رسالت کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، ص،۲۵۴-۲۶۱}**

(102) ﴿فَانْظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (الروم:50) ﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ () وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ () تَبْصِرَةً وَذِكْرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ () وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ () وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ () رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ﴾ (ق:6-11)

(103) ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ﴾ (العنكبوت:20)، ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ﴾ (الانعام:11)، (النمل:69)، ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴾ (الروم:42)